

ترجمہ
نہایۃ الآمال

فِی
صِحَّةٍ وَ شَرْحِ حَدِيثِ عَرُضِ الْأَعْمَالِ

بنام

نگاہِ نبوت

اور

مشاہدۂ اعمالِ امت

مؤلفہ

حافظہ ابوالفضل عبداللہ الغماری الحسنى الادریسی

مترجم

علامہ رسول بخش سعیدی

ناشر

جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان)

نور مسجد، کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون: 2439799

نام کتاب

: نگاہِ نبوت اور مشاہدۂ اعمالِ امت

مؤلف

: حافظہ ابوالفضل عبداللہ الغماری الحسنى الادریسی

مترجم:

: علامہ رسول بخش سعیدی

سن اشاعت

: جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ - جون ۲۰۰۸ء

تعداد اشاعت

: ۲۸۰۰

ناشر

: جمعیت اشاعت اہلسنت (پاکستان)

نور مسجد کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی، فون: 2439799

خوشخبری: یہ رسالہ website: www.ishaateislam.net

پر موجود ہے۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱۔	پیش لفظ	۵
۲۔	ابتداءً	۷
۳۔	تقریظ	۱۰
۴۔	حالات مترجم	۱۷
۵۔	حدیث شریف	۱۹
۶۔	حدیث مذکور کے واسطوں اور اس کی صحت کا بیان	۲۱
۷۔	حدیث مذکور کی دیگر اسناد	۲۳
۸۔	مذکورہ حدیث کے تائیدی شواہد	۲۵
۹۔	قرآن بھی یہی کہتا ہے	۲۸
۱۰۔	یہ حدیث عرضِ اعمال کے منافی نہیں	۳۱
۱۱۔	حدیثِ حوض، حدیثِ عرضِ اعمال کی مؤید ہے	۳۲
۱۲۔	رشتہ داروں پر اعمال کی پیشگی اور مذکورہ حدیث	۳۳
۱۳۔	درو و سلام آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور وہ بھی ایک عمل ہے	۳۷
۱۴۔	رب کعبہ کی قسم! میرے والد نماز کے لئے بیدار کرتے ہیں	۴۷
۱۵۔	جب مالکیہ و حنفیہ کا قول لیں	۵۰
۱۶۔	میں مخالفین کو چیلنج کرتا ہوں	۵۱

۱۷۔	دارودہ اعتراضات کے جوابات	۵۲
۱۸۔	سب سے مضبوط اعتراض	۵۳
۱۹۔	ایک تمہیدی مقدمہ	۵۴
۲۰۔	صدیق اکبر اور دلائل میں تطبیق	۵۴
۲۱۔	حدیثِ حوض اور حدیثِ عرضِ اعمال میں عدم تعارض کی وجوہ	۵۵
۲۲۔	۱۔ حدیثِ حوض مرتدین کے بارے میں ہے	۵۵
۲۳۔	۲۔ حدیثِ حوض دوسری حدیث کے لئے تخصیص ہے	۵۶
۲۴۔	حدیثِ حوض کے خاص ہونے پر دلائل	۵۷
۲۵۔	۳۔ اعمال کی پیشگی اجمالاً ہوتی ہے	۵۷
۲۶۔	اعمالِ امت اجابت کے پیش کئے جاتے ہیں نہ کہ امت دعوت کے	۵۹
۲۷۔	حدیثِ حوض پر وارد شدہ اشکال	۵۹
۲۸۔	آپ ﷺ تو وہ کریم آقا ہیں	۶۱
۲۹۔	خاتمہ	۶۲
۳۰۔	الفاظِ حدیث کی تشریح	۶۲
۳۱۔	عرضِ اعمال آپ کے ساتھ مخصوص ہے	۶۴
۳۲۔	حدیثِ مذکور سے چند امور کا ثبوت	۶۵
۳۳۔	دوسرے انبیاء کو یہ درجہ دینے کی ضرورت نہ تھی	۶۵
۳۴۔	فائدہ	۷۰
۳۵۔	کیا صحتِ حدیث کے لئے اس کا صحاحِ برہمہ میں پایا جانا ضروری ہے	۷۰

پیش لفظ

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو جن فضائل و کمالات سے نوازا ہے، منجملہ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ پر آپ کی اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، آپ اپنی اُمت کے اعمال ملاحظہ فرمانے کے بعد ان کی نیکیوں پر خوش جب کہ گناہوں پر نظر پڑنے کے بعد ان کے لئے بخشش و مغفرت کی دعا فرماتے ہیں۔

ابن تیمیہ سے لے کر محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی سے لے کر احسان الہی ظہیر تک تمام غالی منافقین کا شروع سے یہ دطیرہ رہا ہے کہ وہ ہر اُس حدیث اور حکایت و واقعہ کا انکار کر دیتے ہیں جس سے حضور ﷺ کا شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہے اور اگر دلائل قاہرہ و باہرہ کے اس راہ میں حائل ہونے کی بنا پر وہ انکار نہ کر سکتے ہوں تو بے جا تاویلات کا دفتر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ وہ اپنی نام نہاد توحید کے نام پر کرتے ہیں، حالانکہ گنبد خضریٰ پر سنگ باری کرنے والے یہ بے توفیق لوگ اگر چشم حقیقت سے دیکھتے تو یہ راز ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا کہ ان کے اس طرز عمل کی بناء پر درحقیقت کعبے کی دیواروں میں بھی شگاف پڑ رہے ہیں۔

اپنی مازیبا عادتوں سے مجبور کم عقل و کم فہم و ہابیہ نے انتہائی گھٹیا اور معاندانہ انداز تحریر میں اس حدیث مبارکہ پر بھی بے جا اعتراضات کی حماقت کی، جس میں آپ پر آپ کی اُمت کے اعمال پیش کئے جانے کا تذکرہ ہے۔

زیر دست تحریر انہیں منافقین کسی بے پر کسی اڑائی ہوئی باتوں کا قابلِ تردید رد و ابطال پر مشتمل ہے جسے ماضی قریب کے ایک جلیل القدر محدث حافظ ابو الفضل عبداللہ العجماری علیہ رحمۃ اللہ الباری نے تحریر فرمایا ہے، جب کہ ترجمہ کی سعادت فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا رسول بخش سعیدی مدظلہ نے حاصل کی ہے اور جگہ جگہ تحریر کردہ حواشی

استاذ گرامی قبلہ مفتی محمد عطاء اللہ نعیمی دامت برکاتہم العالیہ کے رشحاتِ قلم کا..... نتیجہ ہیں۔
جمعیت اشاعت اہلسنت نے اپنے سلسلہ اشاعت کی لڑی میں اس جگہ گاتے موتی کو ۷۷ اوں نمبر پر پرو کر جہاں اس لڑی کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر لیا ہے وہ ہیں یہ اہلسنت کے اردو داں طبقے کے لئے ایک بیش بہا نعمت بھی ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ عز و جل اس تحریر کو اہل عشق و محبت کے لئے فرحت و سرور کا موجب اور اہل بدعت و شقاوت کے لئے ہدایت کا سبب بنائے، آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عمران معراج نافع القادری

مدرس جامعۃ النور، نور مسجد، میٹھادر، کراچی
فاضل جامعۃ نضرۃ العلوم، گارڈن، کراچی

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و لطف اور نبی اکرم ﷺ کی نظر عنایت سے جنوری ۱۹۹۶ء میں حرمین شریفین کی حاضری نصیب ہوئی، اس دفعہ جن کُتب کی تلاش تھی ان میں امام ابن حجر مکی کی کتاب ”الجوہر المنظم“ بھی تھی، مدینہ طیبہ کے ایک مکتبہ پر اسی کتاب کی تلاش میں گئے تو وہاں سے شیخ عبد اللہ بن حافظ ابو الفضل عبد اللہ العنبرانی الحسینی الادریسی کی متعدد کُتب حاصل ہو گئیں جو ہمارے لئے نہایت ہی عظیم تحفہ تھیں، ان کُتب کا مطالعہ کیا تو ان میں جا بجا شیخ نے اپنی دو اہم کُتب کا تذکرہ کیا تھا (۱) الرد المحتکم المبین (۲) نہایۃ الآمال، حاصل شدہ کتب میں یہ دونوں موجود نہ تھیں، دل میں بار بار آرزو پیدا ہوئی کہ ان کُتب کو کیسے اور کہاں سے حاصل کیا جائے، ایک دن بندہ جامعہ محمدیہ غوثیہ داتا گنگر لاہور میں علامہ خان محمد قادری پرنسپل جامعہ ہذا سے ملنے گیا تو وہاں مولانا محمد اکرم الازہری استاذ جامعہ ہذا بھی ملاقات ہو گئی، اپنے شوق کے مطابق ان کی کُتب دیکھنا شروع کیں تو وہاں سے یہ مذکورہ دونوں کُتب حاصل ہو گئیں، اب خیال یہ تھا کہ ان کا ترجمہ جلدی شائع ہونا چاہئے، انہی دنوں ہمارے ساتھی علامہ رسول بخش سعیدی استاذ جامعہ اسلامیہ برمنگھم پاکستان آئے ہوئے تھے، نہایۃ الآمال کے ترجمہ کے بارے میں انہوں نے حامی بھری، محمد اللہ انہوں نے نہایت ہی جلد اور بہت ہی خوبصورت ترجمہ کر کے بھیج دیا۔

زیر نظر کتاب کی اہمیت

اُمّتِ مسلمہ کا یہ عقیدہ ہے کہ وصال کے بعد حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے برزخ میں دنیوی زندگی سے بڑھ کر سب سے اعلیٰ جسمانی زندگی سے نوازا ہے، آپ کا اُمّت سے

تعلق قائم و دائم ہے، جس طرح ظاہری حیات میں آپ ﷺ سے بارگاہِ خداوندی میں سفارش و شفاعت کے لئے عرض کیا جاتا ہے، اسی طرح آج بھی آپ سے عرض کیا جاسکتا ہے، آپ اپنے امت کے احوال سے آگاہ رہتے ہیں، جہاں تشریف لے جانا چاہیں وہاں جلوہ افروز ہوتے ہیں، غلاموں پر آپ کی شفقتیں جاری و ساری ہیں، الغرض دیکھنے والی آنکھ آج بھی ان کی زیارت کا شرف پاتی ہے۔

دیدہ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

کتاب و سنت میں اس عقیدہ پر جو دلائل ہیں ان میں سے ایک اہم دلیل آپ ﷺ کا یہ مقدس فرمان بھی ہے: ”حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَعَرَّضْ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ“ جو واضح کر رہا ہے کہ آپ کا تعلق اُمّت سے ٹوٹا نہیں بلکہ بحال ہے اور آپ کی نگاہ مقدسہ احوالِ اُمّت کا مشاہدہ فرماتی ہے۔

کچھ لوگ اسے تسلیم نہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اب آپ سے اُمّت کا تعلق ختم ہو چکا ہے اب آپ سے شفاعت وغیرہ کی درخواست کرنا اسلام کی سراسر مخالفت ہے، مثلاً شیخ صالح بن عبد العزیز لکھتے ہیں:

أما بعد انتقله إلى الرفيق الأعلى و الحياة البرزخية فقد انقطع ما كان يعمل في حياته من الدعاء لمن طلب منه و الشفاعة لمن استشفعه و ما خرج مردود الأيضا و لا نص منقول يدلّ عليه لا صحيح و لا حسن و لا ضعيف رفيق اعلیٰ اور برزخی زندگی کی طرف منتقل ہو جانے کے بعد ظاہری حیات والا معاملہ نہیں رہا، اب نہ تو آپ دعا کروانے والے کے لئے دعا کر سکتے ہیں اور نہ ہی شفاعت طلب کرنے پر شفاعت کرتے ہیں اور جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھے گا اس کا عقیدہ مردود ہے، ہاں اس عقیدہ میں کوئی نص لاؤ اور یہاں تو کوئی نص

ہے ہی نہیں، نہ صحیح، نہ حسن، اور نہ ضعیف۔ (بذہ مفہیمنا: ۸۳)

یہاں یہ بات سامنے رکھنی چاہئے کہ صحابہ سے لے کر آج تک لاکھوں اولیاءِ صلیح آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ سے شفاعت کی درخواست کرتے ہیں، اگرچہ یہ عقیدہ باطل ہے تو ان تمام کا عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟ مذکورہ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے کہ یہ حدیث مُرسَل ہے اور وہ محدثین کے ہاں مقبول نہیں اور اگر اس کے راوی ثقہ ہیں تو اس سے اس کا متصل ہونا ثابت نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ (بذہ مفہیمنا: ۸۶)

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، شیخ عبد اللہ الغماری کو جنہوں نے اس کتاب میں مخالفین کی ایک ایک بات کا علمی تجزیہ کر کے واضح کر دیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مخالفین کے تمام اعتراضات ان کی کم علمی اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہیں، مصنف نے اصول و قواعد کے مطابق گفتگو کر کے کہا اب اس کے بعد کوئی میدان میں آکر اس حدیث کی صحت و ثبوت کے خلاف دلائل لا کر دکھائے۔

امیدوار شفاعت

محمد خان قادری

جامعہ اسلامیہ، لاہور

۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز پیر

تقریظ

(از مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ)

مصنف: اسم گرامی امام عبد اللہ الغماری الحسنى الادریسی ہے، آپ چودھویں صدی ہجری کے علماء ربانین میں سے ہیں ان کا اصل وطن مراکش ہے لیکن مصر کو اپنا مسکن قرار دیا اور تمام زندگی یہاں علمی، دینی خدمات سرانجام دیتے رہے کیونکہ مراکش کی نسبت تحقیق و اشاعت کے مواقع اور سہولیات مصر میں زیادہ ہیں، چنانچہ آپ نے یہاں درس و تدریس کے ساتھ ساتھ بیسیوں کُتب تصنیف فرمائیں جو یورپ و اشاعت سے آراستہ ہو کر مقبول عام ہوئیں۔

تلامذہ: آپ کے تلامذہ میں مشہور محقق و علماء شامل ہیں، عرب ممالک میں سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے ترجمان علماء کی اکثریت بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں، چند معروف جید علماء جن کو آپ سے شرفِ تلمذ ہے ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: شیخ محمود سعید مدوح دبی، شیخ حسن علی السقاف مراکش۔

تصانیف: آپ کی کل تصانیف کی صحیح تعداد کو معلوم نہ ہو سکی مگر جو ہمیں دستیاب ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

- ۱۔ اتقان الصنعة فی تحقیق معنی البدعة (بدعت کے بارے میں تحقیق)
- ۲۔ الرد المحکم المتین علی کتاب القول المبین (عقائد صحیحہ کا اثبات)
- ۳۔ جواهر البیان فی تناسب سور القرآن (قرآنی سورتوں کی درمیانی ربط)
- ۴۔ نفحة الإلهية فی الصلوة علی خیر البریة (درود و سلام)
- ۵۔ الأحادیث المنتقاة فی فضائل رسول الله ﷺ (فضائل و شمائل حضور اکرم ﷺ)

۶۔ توضیح البیان لوصول ثواب القرآن (ایصال ثواب)

- ۷۔ حسن التفہم و الدرك لمسألة الترك (مسئلہ ترک)
 ۸۔ نہایۃ الآمال فی صحۃ و شرح حدیث عرض الأعمال
 ۹۔ غایۃ التحریر فی الکلام علی حدیث توسل الضریب (مسئلہ توسل)
 ۱۰۔ النفخۃ الذکیۃ فی بیان أن الهجر بدعة شرکیۃ (مسلمانوں سے تعلق ختم کرنا بدعت ہے)

۱۱۔ القول المنقہ

آپ کی اکثر تصانیف کا تعلق احقاقِ حق و ابطالِ باطل سے ہے کیونکہ اس پُرفتن دور میں جمہور اہل اسلام کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مخالفین نے جمہور مسلمانوں اور سوادِ اعظم کے مُسلّمات میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ نظریات میں افتراق پیدا کیا جائے اور وحدت کی بنیادوں کو کمزور کیا جاسکے، تو ایسے میں علماء حق کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اُمت کی وحدت کے لئے محققہ اور مُسلّمہ مسائل و نظریات کا تحفظ کریں، چنانچہ مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے منصبی فریضہ کی ادائیگی میں اُمت کی اجتماعی بنیادوں کا تحفظ فرمایا اور ابتداء اسلام سے آج تک کی مُسلّمات کی پاسداری میں ہر فتنہ اور فتنہ انگیز کا ابطال کیا، اسلام میں مجتہد کا منصب یہی ہوتا ہے کہ جمہور مسلمانوں کے اجتماعی اور مُسلّمہ نظریات میں پیدا شدہ کمزوری کا ازالہ کر کے ان مُسلّمات کو بحال کرے تاکہ ملتِ اسلامیہ کی اجتماعیت بحال رہ سکے۔

زیر نظر کتاب ”نہایۃ الآمال“ کے پس منظر میں ایسی ہی ایک سازش ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کے مُسلّمہ نظریہ کہ ”رسول اللہ ﷺ کے حضور اُمت کے اعمال پیش ہوتے ہیں“ میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور حدیث پاک جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

تَعْرَضُ عَلَیْ أَعْمَالِكُمْ (الحديث)

ترجمہ: تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

کا انکار کرتے ہوئے اس کو کذب اور جھوٹ سے تعبیر کیا گیا حتیٰ کہ اس حدیث کے بیان کرنے والوں پر ناروا جملے استعمال کئے گئے تو مصنف علیہ الرحمہ نے اس حدیث شریف کی صحت و مقبولیت کو واضح فرما کر سوادِ اعظم جمہور مسلمانوں کے اس نظریہ کا تحفظ اور پاسداری فرمائی۔

مصنف علیہ الرحمہ نے اس کتاب میں دلائل و براہین سے ثابت کیا یہ حدیث صحیح ہے اور مشہور محدثین نے ثقہ راویوں کے ذریعے سندات کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی تائید میں کثیر تعداد میں شواہد پیش کئے اور پھر قرین حدیث کے اصول و قواعد کی روشنی میں اثبات فرما کر حدیث کا قابلِ حُجّت اور مقبول ہونا ثابت کیا۔ اور آخر میں اس حدیث پر اعتراض کرنے والوں کو چیلنج کیا کہ اگر ہمت ہے تو اصول و قواعد کی روشنی میں دلائل سے اس حدیث کا موضوع ہونا ثابت کریں جو کبھی ثابت نہ ہو سکے گا۔

اور آپ نے حدیث کا مذاق اڑانے والوں اور اس کو بیان کرنے والوں پر سب و شتم کرنے والوں کے جواب میں فرمایا:

البتہ عبارات میں کذب بیانی، نقل میں تحریف، مخالف پر طعن و تشنیع کرنے میں کوئی عاجز نہیں ہے مگر اس کا ماہر وہی ہوتا ہے جو اعتنائی جاہل اور اخلاقی حمیدہ سے عاری ہوتا ہے۔

پھر آپ نے فرمایا:

البتہ ہم اپنے مطالبہ سے دستبردار نہیں ہو سکتے، ہمارا مطالبہ ایک ہی ہے کہ یہ لوگ صحیح علمی انداز میں قواعد کی روشنی میں اپنے مدعا کو ثابت کر دکھائیں۔

زیر بحث حدیث اور اس کی فنی حیثیت

● اس حدیث کی اجلہ محدثین نے تخریج اور تصحیح فرمائی مثلاً ابو بکر احمد بن عمرو بن

عبدالخالق المعروف امام بزار (م ۲۹۲ھ) نے اپنی مسند میں ذکر فرمایا اور کہا کہ اس کے رجال راوی صحیح ہے۔

امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی (م ۳۶۵ھ) نے ”کامل ابن عدی“ میں، حافظ امام ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے ”المطالب العالیہ“ میں، امام نور الدین امام علی بن ابی بکر (م ۸۰۷ھ) نے ”مجمع الزوائد“ میں، امام حافظ زین الدین عراقی (م ۸۰۶ھ)، صاحب النبیہ نے، اور امام ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے ”البدایہ والنہایہ“ میں اس کو روایت فرما کر اس کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے علاوہ امام علامہ جلال الدین سیوطی، ملا علی قاری، مرتضیٰ زبیدی، شہاب الدین خفاجی، علامہ زرقانی، علامہ قسطلانی وغیرہم کثیر محدثین نے بھی اس کو روایت فرمایا ہے۔

● اس حدیث کو قرآن و احادیث مشہورہ سے تائید حاصل ہے جن کو مصنف نے ذکر فرمایا۔

● اس حدیث کا قواعد شرعیہ کے مخالف ہونا بلکہ مطابق ہونا۔

● اس حدیث کا مذہب اسلامیہ کے اجماعی اور مسلمہ اصول کے مطابق ہونا کہ بدن کی موت کے بعد بھی روح زندہ و جاوید رہتی ہے اور سننا، دیکھنا، آنا جانا، ادراک و تصرف چونکہ روح کی صفات ہیں لہذا بدن کی موت کے بعد بھی یہ صفات مومن کو حاصل رہتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

● اس حدیث کا، عقائد و اعمال کے ثبوت کے متعلق نہ ہونا بلکہ صرف فضیلت سے متعلق ہونا جس کے لئے اس کا صحیح ہونا ضروری بھی نہیں ہے کیونکہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی بالاتفاق کافی ہے۔

در اصل حدیث کی صحت یا عدم صحت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ

ابتداء اسلام سے آج تک منافقین کی ایک ہی عادت ہے اور وہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت پر تنقید کرنا ہے، خواہ وہ قرآن سے ثابت ہو یا صحیح حدیث سے ثابت ہو، ان لوگوں کو قبول نہیں اور کچھ نہ کر پائیں تو حیلے بہانے بنائیں گے، ورنہ یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں امت کے اعمال کی پیشی سے انکار کی وجہ بتائیں، کیا حضور علیہ الصلوٰۃ جسمانی و روحانی طور پر معاذ اللہ فنا ہو چکے، تو یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور قُرب و بُعد کو بنیاد بنائیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اولاً قُرب و بُعد دنیا کا نظام ہے عالم برزخ اور عالم آخرت میں یہ نظام نہیں اور اگر ہو بھی تو کیا اللہ تعالیٰ قُرب و بُعد کا فرق برامہ کرنے پر قادر نہیں ہے جب کہ حدیث بخاری کی صحیح حدیث ہے کہ:

فَإِذَا أَحْبَبْتَهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ

یعنی، جب بندہ اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کان،

آنکھ، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہے۔

تو اس کا کیا مطلب ہے اس کا مطلب! بالاتفاق ائمہ نے یہ بیان فرمایا اللہ تعالیٰ محبوب بندے کو اپنی خاص قدرت سے نوازتا ہے جس کے ذریعہ وہ قُرب و بُعد میں برامہ ادراک رکھتا ہے، قریب و بعید سب کو سنتا، دیکھتا ہے، تو ظاہر بات ہے کہ جب عام محبوب بندوں کو قریب و بعید کا ہر جگہ سے علم ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کا کیا مقام ہوگا؟ یا رسول اللہ ﷺ کو یہ مقام حاصل نہیں تو کیوں؟ کیا آپ اللہ کے محبوب نہیں ہیں، یا اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس انعام کی نفی فرمادی ہے، اگر نفی ہے تو کہاں ہے؟؟۔

نیز بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ جب نمازی تشہد میں السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین کہتا ہے تو اس کا یہ سلام زمین و آسمان میں تمام صالح بندوں کو پہنچتا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إِذَا قَالَ ذَٰلِكَ أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ

تو کیا امتی کا سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پہنچنا اللہ تعالیٰ نے منع

کر رکھا ہے تو منع کہاں ہے؟ یا کیا رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ عبد صالح نہیں ہیں، یا آپ زمین و آسمان میں نہیں ہیں۔

نیز بخاری و مسلم کی معفق علیہ حدیث ہے کہ نماز کسوف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ آگے بڑھے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، نماز کے بعد صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ!

رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْعًا فِي مَقَامِكَ هَذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكْعُكُعَت

فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ الْحَنَّةَ تَنَاوَلَتْ عَنْهَا عُنُقُودًا (الحدیث)

یعنی، حضور نے فرمایا میں نے جنت دیکھی اور اس سے میں نے ایک انگور کا گچھا پکڑا۔

اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ دنیا کے مکان و زمان اور جسمانی پابندیوں میں رہتے ہوئے بھی آخرت کو ملاحظہ فرماتے ہیں، تو کیا وصال شریف کے بعد آخرت میں رہتے ہوئے جہاں زمان و مکان اور جسمانی پابندی ہی نہیں اور نہ ہی وہاں قرب و بعد ہے تو دنیا اور دنیاوی امور کو ملاحظہ کرنے میں کیا مانع ہے؟ یعنی ادنیٰ حال میں اعلیٰ و بعد کا ملاحظہ ہو سکتا ہے تو اعلیٰ حال میں ادنیٰ و اقرب کا ملاحظہ کیوں نہیں؟

نیز صحاح ستہ کی حدیث ہے:

إِنَّ اللَّهَ قَدْ زَوَىٰ لِي الْأَرْضَ كُلَّهَا فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا

یعنی، اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے، تو میں نے تمام روئے زمین کو ملاحظہ کر لیا ہے۔

جب زندگی میں پورے روئے زمین آپ کے پیش نظر ہو سکتی ہے تو آخرت میں منتقل ہونے پر کیا قرب و بعد وہاں بھی ہے۔

غرضیکہ یہ سب احادیث بخاری و مسلم و صحاح ستہ بلکہ معفق علیہ احادیث ہیں، مگر وہ لوگ نہیں مانتے اور نہ مانتے گئے، اگر ان احادیث کو مانتے ہیں تو امت کے اعمال کا

ملاحظہ یا اعمال کا آپ کے حضور پیشی سے کیوں انکار ہے۔

اس اہم کتاب کا ترجمہ فاضل عزیمت مولانا رسول بخش سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ نے بڑی محنت سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمہ اور مترجم کو تمام مسلمانوں کی جانب سے اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرائے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کی پاسداری کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں مسلمانوں اور ان کے اعمال کی پیشی کو ثابت رکھتے ہیں سعی مشکور کی، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس سعی جمیلہ کو مشکور و مقبول فرمائے گا، و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و بارک و سلم

محمد عبدالقیوم ہزاروی

حالاتِ مترجم

از مولانا فضل حنان سعیدی استاذ جامعہ اسلامیہ لاہور

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس کتاب کے مترجم علامہ رسول بخش سعیدی ہیں آپ موضع باقر شاہ شمالی تحصیل علی پور مظفر گڑھ میں ایک زمیندار گھرانہ کے چشم و چراغ ہیں، انہوں نے قریبی شہر علی پور میں سکول کی مروجہ تعلیم کے بعد دینی ادارے مدرسہ فاروقیہ فریدیہ میں قرآن کریم حفظ کیا اور درس نظامی کے وسطانی نصاب کو مولانا نیاز احمد اور مولانا خادم حسین سے وہیں مکمل کیا، اس کے بعد ۱۹۷۹ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے درجہ عالیہ میں داخل ہوئے اور اس نصاب کی تکمیل پر ۱۹۸۲ء میں جامعہ سے فارغ التحصیل ہوئے، اور ساتھ ہی انہوں نے تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے فوقانی امتحان میں قابل فخر پوزیشن حاصل کر کے الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیہ و الاسلامیہ کی ڈگری حاصل کی جس کو حکومت پاکستان نے ایم اے عربی و اسلامیات قرار دیا ہے اور پاکستان بھر کی یونیورسٹیز نے اس سند کی مذکورہ حیثیت (ڈبل ایم اے) کو تسلیم کر رکھا ہے، مولانا رسول بخش سعیدی نے جامعہ الازہر مصر کے شیوخ سے الادب العربی میں تخصص کے شوق میں اسلامی یونیورسٹی فیصل مسجد اسلام آباد میں داخلہ لیا، وہاں چار سال میں یہ تخصص کیا، اس دوران مصری شیوخ سے مولانا نے درس نظامی کی جامعیت اور اس سے حاصل شدہ استعداد کا لوہا منوایا، جس کی وجہ سے مولانا کو ان شیوخ کے ہاں خاص تقرب رہا۔

علمی خدمات: حصول علم کے بعد مولانا سعیدی صاحب جامعہ غوثیہ گلبرگ اور جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں تین سال صدر المدرسین کے عہدہ پر فائز رہے، اس کے بعد حضرت سلطان باہوٹرسٹ کے چیئر مین حضرت صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن قادری کی دعوت پر مرکزی ادارہ جامعہ اسلامیہ برمنگھم (انگلینڈ) میں تدریسی فرائض

سرا انجام دے رہے ہیں، چنانچہ وہاں پورے انگلینڈ میں مولانا ایک محنتی، جامع، اور قابل ترین استاذ کی حیثیت سے متعارف ہیں، ان کی وجہ سے علماء و طلباء کا ادارہ ہجوم ہے، یونیورسٹی اور کالجز کے طلباء و اسکالرز حضرات بھی ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔

ان کی وہاں کارکردگی کے بارے میں اتنی سند ہی کافی ہے کہ کچھ دنوں مخدوم من قبلہ استاذی المکرم حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ (اب رحمۃ اللہ علیہ) انگلینڈ کے دورے سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے جامعہ اسلامیہ برمنگھم کی کارکردگی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت سلطان نیاز الحسن قادری اور مولانا رسول بخش سعیدی کی خدمات کو بہت سراہا۔

غیر ملکی مطالعاتی دورہ: مولانا کی انگلینڈ میں شہرت کی بنا پر قریبی پورپی ممالک فرانس، جرمنی، ڈنمارک وغیرہ سے آئے ہوئے مسلمان طلباء کی دعوت پر ۱۹۹۲ء میں ان ممالک کا دورہ کیا اور اس کے بعد جامعہ الازہر مصر میں اپنے اساتذہ شیوخ، ڈاکٹر جناب علی عسری وغیرہ سے ملنے اور جامعہ الازہر کی زیارت کے لئے گئے تو وہاں نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور اعزاز یہ دیا۔

اللہ تعالیٰ مترجم کو بھی دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کریں جنہوں نے بڑی محنت سے بہت ہی خوبصورت ترجمہ کیا ہے، اس ترجمہ کا یہ امتیاز ہے کہ اس پر عالمِ اسلامی کی عظیم علمی شخصیت استاذ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم مدظلہ (رحمۃ اللہ) کی تقریظ ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے توسل سے اسے ہم سب کے لئے نافع بنائے۔

محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ دو سال قبل وصال فرما گئے

ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون

حدیث شریف

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدِّثُ لَكُمْ وَفَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُعَرِّضُ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللَّهَ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ"

ترجمہ: میری ظاہری حیات تمہارے لئے سراپا خیر ہے، تمہیں کوئی معاملہ پیش آ جاتا ہے تو اس کے لئے حکم آ جاتا ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لئے سراپا خیر ہے (کیونکہ) تمہارے اعمال میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے رہیں گے، جب اچھے کام دیکھوں گا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا اور جب بُرے اعمال دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ رب العزت سے مغفرت و بخشش مانگوں گا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، و الصلوة و السلام على اشرف المرسلين

سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ الْأَكْرَمِينَ وَ رَضِيَ عَنْ صَحَابَتِهِ الطَّاهِرِينَ

حمد و صلوة کے بعد یہ رسالہ میں نے حدیث (حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ) کی صحت کے بیان میں تحریر کیا ہے، دراصل میں نے کئی لوگوں کے درمیان اختلاف و نزاع کی صورت دیکھی کہ وہ علم و فہم اور کسی بنیادی اصول کے بغیر اس حدیث کے بارے میں بحث و تمحیص میں لگے ہوئے ہیں، بعض جاہل اور بے خبر لوگوں نے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ یہ من گھڑت حدیث ہے جس کا ٹیپ حدیث میں سرے سے وجود ہی نہیں، اور یہ صحیح، قوی احادیث کے خلاف ہے، اور وہ یہاں تک گر گئے کہ جو شخص بھی اس حدیث کا اپنے کسی رسالہ یا کتاب میں ذکر کرتا ہے تو وہ اسے شدت کے ساتھ طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں، لہذا میں نے ارادہ کیا کہ اس رسالہ میں ان کے ان دعوؤں اور قیل و قال کی غلطی کو واضح کروں اور ان خطرات کو منکشف کروں جو ان سے پیدا ہوتے ہیں، میری اس گفتگو کی بنیاد محدثین کرام کے قاعدے و ضابطے و متفقہ اصول اور جمہور اہل نقل و عقل کے رائج اقوال ہیں، اور اس کا نام ”نہایۃ الآمال فی صحیحہ حدیث عرض الأعمال“ رکھا اور اسے رسالہ نمائندگی کی بارگاہ میں تحفہ کے طور پر پیش کرنا ہوں، امید ہے کہ قیامت کے دن وہ اپنی شفاعت میں مجھے شامل فرمائیں گے، جہاں شفاعت کے لئے آپ ﷺ کے سوا کوئی بھی نہ بڑھ سکے گا، حتیٰ کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام بھی پیچھے رہ جائیں گے، اللہ رب العزت ہی سے سوال ہے کہ میری اس آرزو کو بر لائے اور میری دعا قبول فرمائے، وہی قریب ہے، وہی دعا قبول فرمانے والا ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں، اس کے سوا کسی سے بھلائی نہیں۔

﴿باب اول﴾

حدیث مذکور کے واسطوں اور اس کی

صحت کا بیان

حافظ کبیر ابو بکر احمد بن عمرو بن عبدالحق بصری المعروف محدث بزار متوفی بالمرملہ ۲۹۲ھ نے اپنی مشہور مسند میں لکھا ہے کہ ہمیں حدیث سنائی یوسف بن موسیٰ نے، انہوں نے کہا کہ ہمیں عبدالحجید بن عبد العزیز ادبی رواد نے سفیان کے واسطے سے بیان کی، انہیں عبد اللہ بن سائب نے زاذان کے واسطے سے روایت کی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ رب العزت کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری ظاہری حیات تمہارے لئے خیر ہے تم کوئی کام کرتے ہو تو تمہارے لئے کوئی حکم آ جاتا ہے اور میرا دنیا سے چلا جانا بھی تمہارے لئے خیر ہے کہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے کام دیکھتا ہوں ان پر رب العزت کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور جو بُرے اعمال دیکھتا ہوں تو تمہارے لئے اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔

بزار نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سند کے علاوہ کسی اور واسطے سے بھی یہ روایت مروی ہو اور حافظ زین الدین عراقی نے اپنی

تصنیف ”طرح التقریب فی شرح التقریب“ (۱) کے ”کتاب الجواز“ میں فرمایا کہ اس کی سند عمدہ ہے۔

اور حافظ نور الدین نے ”مجمع الزوائد“ میں فرمایا کہ اس حدیث کے راوی ”صحیح“ والے راوی ہیں، اور اسی طرح علامہ قسطلانی نے ”شرح بخاری“ اور حافظ علامہ جلال الدین السیوطی نے ”تخصائص کبریٰ“ میں فرمایا کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہی کلمات ملا علی قاری اور امام شہاب خفاجی نے قاضی عیاض کی ”شفاء شریف“ کی شروحات میں کہے ہیں، جو کچھ ان تمام حضرات نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا بالکل صحیح ہے، اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیونکہ اس کے تمام راوی صحیح کی شرط پر ثقہ ہیں۔

باقی ابن ابی رواد کی طرف مرجعہ وغیرہ ہونے کی جو نسبت کی گئی ہے وہ اس کے بعد مضمر نہیں کہ اُن سے بڑے بڑے ائمہ حضرات مثل امام شافعی، امام احمد، امام ابن معین نے روایت کیا ہے اور امام احمد، امام ابن معین، امام ابو داؤد اور امام نسائی نے ان کے ثقہ ہونے کی تصریح کی ہے، امام مسلم اور ائمہ اربعہ نے اس شخص کے ساتھ احتجاج کیا ہے، (یعنی دلیل پکڑی ہے) اس کے بعد اسے کمزور قرار دینے والوں کی بات قابل اعتبار نہیں، خصوصاً ابن حبان جو جرح میں بہت ہی مبالغہ سے کام لیتے ہیں، امام ذہبی نے

۱۔ یہ کتاب شیخ عراقی کی آخری کتب میں سے ہے بلکہ اس کی تکمیل سے قبل ہی ان کی وفات ہو گئی تو ان کے فرزند ارجند حافظ ولی الدین ابو زرعہ العراقی نے اس کی تکمیل کی، ان کی یہ بات ”احادیث الاحیاء“ والی بات کے خلاف جاتی ہے جو انہوں نے اوائل عمر میں تصنیف کی تھی جب کہ آپ کی عمر شریف صرف بیس سال تھی، اس وقت نہ تو آپ میں ذہنی پختگی تھی نہ یادداشت کی وسعت اور نہ قواعد حدیث کا اتنا تجربہ جو بعد کی کتابوں سے موازنے کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ یہاں وسعت علمی، کمال کا حافظہ، فن کے اصول و قواعد کا کامل تجربہ جو آپ کو اہم حدیث میں رتبہ اجتہاد کو پہنچا دیتا ہے، مثال کے طور پر انہوں نے ”احادیث الاحیاء“ کی تخریج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث ”أَجَلْتُ لَنَا فَيَتَنَانِ وَ ذَعَانِ“ کو صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ایسی ضعیف حدیث کو صحاح ستہ میں سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔

”میزان“ میں اسحٰب بن سعید المدنی کے حالاتِ زندگی کے ضمن میں لکھا ہے کہ ابنِ حبان ثقہ حضرات کی جرح میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں کہ بسا اوقات انہیں یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور ایوب بن عبد السلام کے ترجمہ کے ضمن میں کہا کہ ابنِ حبان سخت کو اور مجادل ہے، چنانچہ حدیث مذکور اس سند کے اعتبار سے امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے اور اس روایت کی اور بھی سندیں ہیں جس کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

حدیث مذکور کی دیگر اسناد

(۱)..... حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند اور ابنِ عدی نے ”کامل“ میں خراش (راوی) کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

میری ظاہری حیات تمہارے لئے خیر ہے تم جو کچھ کہتے ہو، کوئی کام کرتے ہو، تو اس کا حکم تمہیں بتا دیا جاتا ہے، جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرا وصال بھی تمہارے لئے خیر ہوگا، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے اگر میں بہتر عمل دیکھوں گا تو اس پر اللہ رب العزت کی حمد و ثناء بیان کروں گا، اور اگر اچھا عمل نہ دیکھوں گا تو تمہارے لئے اللہ رب العزت سے مغفرت طلب کروں گا۔

حافظ عراقی نے ”المفنی“ میں کہا ہے کہ اس کی سند (کے راوی) خراش کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کمزور ہے۔

(۲)..... حافظ ابو نصر حسن بن محمد بن ابی ایوب یونانی متوفی ۵۲۸ھ نے اپنی ”معجم“ (جو کئی اجزاء پر مشتمل ہے) میں کہا ہے کہ میں نے الشریف واضح بن ابی تمام الزینی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابو علی بن تومہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیخ ابو حفص

بن شاپین کے ہاں مسافروں کی ایک جماعت جمع ہوئی اور درخواست کی کہ آپ کے پاس جو اعلیٰ درجہ کی (TOP CLASS) حدیث ہے ہمیں سنائیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ میرے پاس جو اعلیٰ قسم کی احادیث ہیں ان میں سے تمہیں ایک حدیث سنانا ہوں، چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد بغوی نے حدیث بیان کی اور انہیں شیبان بن فروخ ایلی نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مافع ابو ہریرہ بختانی نے فرمایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ وَ مَمَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ

ابنِ نجار نے ”تاریخ بغداد“ میں معمر بن محمد اصفہانی سے اسے روایت کیا ہے جنہوں نے ابو نصر یونانی سے اسے روایت کیا، اور یہ سند بھی ضعیف ہے کیونکہ تمام کا اتفاق ہے کہ ابو ہریرہ ضعیف ہے۔

(۳)..... حارث بن اسامہ تمیمی متوفی ۲۸۲ھ نے اپنی مشہور ”مسند“ میں اسے روایت کیا کہ ہمیں حسن بن قبیہ نے کہا کہ جسر بن فرقہ نے بکر بن عبد اللہ مزی کے واسطے سے ہمیں حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تَحَدَّثُونَ وَيُحَدَّثُ لَكُمْ وَ فَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُعَرِّضُونَ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللَّهَ وَ مَا كَانَ مِنْ سَيِّئٍ اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ

اس کی سند ضعیف ہے، اس کی حدیث کو ایک اور واسطے سے بھی روایت کیا گیا ہے، امام اسماعیل بن اسحاق قاضی مالکی متوفی ۲۸۲ھ نے اپنی کتاب ”فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ“ میں کہا کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان فرمائی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید جو اسماعیل قاضی کے دادا ہیں نے غالب قطان کے واسطے سے حدیث بیان کی اور انہوں نے بکر بن عبد اللہ مزی سے مرفوعاً اس حدیث کو روایت کیا اور حدیث

کے الفاظ یہ ہیں:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُونَ وَيُحَدِّثُ لَكُمْ فَإِذَا أَنَا مِثُّ
كَأَنِّي خَيْرٌ لَّكُمْ تُعَرِّضُ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ فَإِنْ رَأَيْتُ
خَيْرًا حَمِدْتُ اللَّهَ وَإِنْ رَأَيْتُ غَيْرَ ذَلِكَ اسْتَغْفَرْتُ
اللَّهَ لَكُمْ

اور حافظ محمد بن عبد الہادی المقدسی نے اپنی کتاب ”الصارم الممکنی“ میں کہا کہ حضرت امام بکر مزنی تک یہ اسناد صحیح ہے اور بکرنا بعین میں ثقہ اور ان کے امام ہیں، میں کہتا ہوں کہ ائمہ سے ان کو حجّت مانا ہے اور وہ ان کی بزرگی اور امامت پر متفق ہیں، ایک اور واسطہ سے اسماعیل قاضی نے اپنی مذکورہ کتاب میں فرمایا کہ ہمیں حجاج بن مہال نے حدیث بیان کی، اور انہیں حماد بن سلمہ نے کثیر ابی الفضل کے واسطہ سے حدیث بیان کی اور وہ بکر بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالتاً ﷺ نے فرمایا:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ تُحَدِّثُونَ فَيُحَدِّثُ لَكُمْ فَإِذَا أَنَا مِثُّ
كَأَنِّي عَرَضْتُ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ فَإِنْ رَأَيْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ
اللَّهَ وَإِنْ رَأَيْتُ شَرًّا اسْتَغْفَرْتُ اللَّهَ لَكُمْ

اور یہ اسناد بھی صحیح ہے، اس کے راوی کثیر ابو الفضل کے علاوہ تمام صحیح کے شرائط پر پورے اترے ہیں، کثیر ابو الفضل کے بارے میں ابن قحطان سلجھما سی نے کہا کہ اس کا حال معروف نہیں ہے، لیکن حافظ (ابن حجر) نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا یہ معروف ہیں، ان کا ذکر امام بخاری نے ”التاریخ“ میں کیا ہے اور کہا کہ سعید بن عامر نے ان کی اچھے الفاظ میں تعریف فرمائی ہے، اور ابن حبان نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، حافظ کہتے ہیں کہ ابن قحطان امام بخاری کی اس گفتگو سے بے خبر رہے۔ ان کا پورا نام کثیر بن بسیر البصری طفاوی ہے اور ”الصارم الممکنی“ کے (ص ۱۷۸) پر کثیر بن الفضل تحریر ہے جو تحریف ہے بہر حال جیسا کہ ہم نے کہا یہ سند صحیح ہے، امام سیوطی نے ”جامع صغیر“ میں

بھی ابن سعد کی ”الطبقات“ سے بکر مزنی کے واسطہ سے روایت کرتے ہوئے اس کی تخریج فرمائی ہے اور اس کے شارح امام مناوی کہتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس ہماری تمام گفتگو اور تحقیق کا دار و مدار الفاظ حدیث اور سند حدیث پر ہے، ہماری اس تفصیل تحقیق سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، اس کے باوجود اسے کمزور اور جھوٹی حدیث قرار دینا پرلے درجے کی قبیح جرات ہے کسی مسلمان سے اس کے صادر ہونے کی توقع نہیں، خاص طور پر جب وہ اس آیت کریمہ کے معنی سے آگاہی بھی رکھتا ہو:

مَا يُلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (۲)

ترجمہ: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔

﴿فصل﴾

مذکورہ حدیث کے تائیدی شواہد

اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں جو اس کے معنی کی تائید اور اس کی بنیاد و کثوت دیتے ہیں جس سے یہ حدیث صحت و قبول کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ جاتی ہے، میں اللہ رب العزت کی مدد و نصرت سے چند ایک کا ذکر کر رہا ہوں لیکن سب سے پہلے وہ حدیث جو الفاظ و معنی میں اس کے قریب تر ہے۔

امام ابو نعیم نے ”حلیہ“ میں کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن محمد بن جعفر ”جو حافظ ابو الشیخ ابن حبان کے نام سے مشہور ہیں“ نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ان کو احمد بن عیسیٰ بن ہامان الرازی نے ان کو محمد بن مصفیٰ نے ان کو بقیہ نے اور ان کو عباد بن کثیر نے عمران کے

واسطہ سے حدیث بیان کی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَعْمَالَ أُمَّتِي تُعْرَضُ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ جُمُعَةٍ وَاشْتَدَّ غَضَبُ اللَّهِ عَلَى الزَّانَةِ

میری امت کے اعمال ہر جمعہ کے دن مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں اور زانیوں پر اللہ کا غضب شدید تر ہوتا ہے۔

اور حکیم ترمذی نے ”نوادرا اصول“ میں عبدالغفور بن عبدالعزیز بن سعید الشامی کے واسطہ سے روایت کیا اور وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا جو صحابی رسول تھے سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْإِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ عَلَى اللَّهِ وَتُعْرَضُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ وَعَلَى الْأَبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَيُفْرَحُونَ بِحَسَنَاتِهِمْ وَتَزْدَادُ وَجُوهُهُمْ بَيَاضًا وَإِشْرَاقًا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُؤْذُوا مَوْتَاكُمْ

ہر پیر اور جمعرات کے دن تمہارے اعمال اللہ رب العزت کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء اور والدین کے حضور ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں، وہ نیکیاں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ان کے چہروں کی بشارت اور رونق مزید بڑھ جاتی ہے، تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو ایذا نہ دو۔

یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں لیکن شواہد کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے جیسا کہ حافظ منذری نے ”الترغیب والترہیب“ کے متعدد مقامات پر اور حافظ ابن القیم الجوزی نے ”جلاء الافہام“ میں اس کی نشاندہی کی ہے، بلکہ اصول حدیث کا یہ مسئلہ ضابطہ ہے۔

قرآن بھی یہی کہتا ہے

قرآن کریم بھی حدیث مذکور کے موافق ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (۳)

ترجمہ: وہ کیسا وقت ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے خبر دی ہے کہ رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن اپنی امت پر گواہ بن کر تشریف لائیں گے، یہ بات تقاضا کرتی ہے کہ امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جائیں تاکہ جو آپ نے دیکھا اور جانا اس پر گواہی دیں۔ حضرت ابن المبارک نے فرمایا کہ منہال بن عمرو کے واسطہ سے انصار میں سے ایک آدمی نے ہمیں بتایا کہ اس نے سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا، آپ نے فرمایا: صبح و شام رسالت مآب ﷺ کے حضور آپ کی امت پیش کی جاتی ہے، آپ ان کو ان کے نام اور اعمال کے ساتھ جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں گواہی دیں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا

علامہ قرطبی نے ”التذکرہ“ میں (باب ما جاء في شهادة النبي ﷺ علی امتہ) حضور کی امت پر گواہی کے بیان پر باب قائم کیا، پھر انہوں نے حضرت سعید بن المسیب کے مذکورہ قول کا ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد لکھا یہ بات گزر چکی ہے کہ اعمال انسانی ہر پیر اور جمعرات کو اللہ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور انبیاء و والدین کے حضور ہر جمعہ کے دن پیش کئے جاتے ہیں، پھر فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں کوئی

تعارض نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کی خصوصیت کے پیش نظر ہر روز آپ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں بھی پیش کئے جاتے ہیں، اور ”طبرانی“ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا (۴)

تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ یمن جائیں اور نصیحت فرمائی: تم جاؤ اور لوگوں کو خوشخبری سناؤ، انہیں تنفر نہ کرو، ان کے آسانیاں پیدا کرو، تنگی نہ کرو کیونکہ مجھ پر نازل ہو چکا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا (بِالْجَنَّةِ)
وَنَذِيرًا مِنَ النَّارِ وَدَاعِيًا إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
بِأَدْنَىٰ وَسَرَاجًا مُنِيرًا

یعنی، اے نبی ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے گواہ و نگہبان، بخت کی خوشخبری دینے والا، جہنم کی آگ سے ڈرانے والا، لا الہ الا اللہ کی شہادت کی طرف بلانے والا اور روشنی کرنے والا سورج بنا کر بھیجا۔

ابن کثیر نے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ”شَهِيدًا“ یعنی، اللہ رب العزت کی وحدانیت کی گواہی دینی کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور قیامت کے دن لوگوں پر ان کے اعمال کی گواہی دینا ”وَجِئْنَا بِكَ هَلْوَلاًءَ شَهِيدًا“ اور آپ کو ان تمام پر گواہ بنایا جائے گا جیسا کہ اور مقام پر فرمایا ”لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا“ تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

سوال: پس اگر یہ کہا جائے کہ اللہ رب العزت نے اس امت کے بارے میں

خبر دی ہے کہ دوسری امتوں پر گواہی دے گی جیسا کہ فرمان الہی ہے:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (۵)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

اور جب کہ یہ کسی نے نہیں کیا کہ دوسری امتوں کے اعمال اس امت پر بھی پیش کئے جاتے ہیں، تو جواب کی دو صورتیں ہیں:

(۱)..... عرض اعمال کے بارے میں رسالتِ مآب ﷺ کو اسی طرح تخصیص حاصل ہے جیسے آپ کی تخصیص قبر میں حیات کے بارے میں ہے کہ آپ کی حیات، قبر میں شہدا کی حیات سے بھی اکمل ہے اور جیسا کہ شفاعت کے سلسلہ میں جس طرح آپ کو شفاعت کی اجازت ہوگی کسی اور کو نہ ہوگی۔

(۲)..... حدیث صحیح میں ہے کہ یہ امت قرآن کریم کے علم اور رسول اکرم ﷺ کی خبر کی بنیاد پر گواہی دے گی کیونکہ جب یہ امت گواہی دے گی کہ سابقہ رسولوں نے اپنی امتوں کو تبلیغ کی تھی تو ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس نے بتایا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہماری نبی کریم ﷺ نے ہمیں بتایا تو ہم اس پر ایمان لائے اور تصدیق کی تو رسول اکرم ﷺ ان کا تزکیہ اور ان کی بات کی تصدیق فرمائیں گے، یہ بالکل واضح ہے جس میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔

سوال: اور اگر یہ کہا جائے کہ طبرانی نے محمد بن فضالہ سے روایت کیا ہے کہ رسالتِ مآب ﷺ نے ایک قاری کو پڑھنے کا حکم دیا جب وہ یہاں پہنچا ”فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ“ آئیے، تو آپ رو پڑے اور اور کہا ”اے میرے رب جو میرے سامنے ہیں ان کے بارے میں تو میں نے گواہی دی لیکن جن کو میں دیکھا تک نہیں ان

کے بارے میں کیسی کواہی“ اس سے بعض مانجھوں نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ نے عرض اعمال کی نفی فرمائی ہے۔

یہ حدیث عرضِ اعمال کے منافی نہیں

اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ حدیث عرضِ اعمال والی حدیث کے منافی نہیں بلکہ اس کی تائید کرتی ہیں، یہ ان کے اسباب میں سے ایک ہے جن کے واسطے سے اللہ رب العزت نے اپنی نبی کریم ﷺ کو اس خصوصیت کا اعزاز بخشا کہ آپ ﷺ کی اپنی امت پر کواہی مشاہدہ سے ہو جیسا کہ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو یہ اعزاز بخشا کہ آپ کی امت کو دوسری امتوں کے ساتھ آپ پر پیش کیا جائے جب کہ آپ مدینہ منورہ میں تھے، یہ بات صحیحین میں ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (ج ۹ ص ۷۸، ۷۹، طبعہ السخساب) میں لکھا ان کے الفاظ یہ ہیں:

اور محمد بن فضالہ الطفری کی روایت میں ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ بنی ظفر میں تھے، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے یونس بن محمد بن فضالہ کے واسطے سے ذکر کیا اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ قبیلہ بنی ظفر میں تشریف لائے، آپ کے ساتھ ابن مسعود اور کچھ دیگر صحابہ بھی تھے، آپ ﷺ نے کسی قاری کو پڑھنے کا حکم دیا جب وہ اس آیت پر پہنچے:

فَكُنِيفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ هُودًا
شَهِيدًا (۶)

تو آپ رو دیئے اور رونے کے آٹا آپ کی داڑھی مبارک اور چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا:

اے میرے رب! یہ ان کے بارے تو ممکن ہے جن میں میں موجود

ہوں لیکن جن کو میں نے نہیں دیکھا ان کے بارے میں کیسے کواہی دوں گا؟۔

ابن مبارک نے ”الزهد“ میں سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر روز صبح و شام و شام آپ پر ﷺ پر آپ کی امت پیش کی جاتی ہے آپ انہیں چہروں اور اعمال کے ساتھ پہچانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ ان پر کواہی دیں گے۔ بہر حال ابن فضالہ کی حدیث سے جو اشکال پیدا ہوا تھا، اس مُرسل حدیث نے اسے دور کر دیا، واللہ اعلم

خلاصہ اشکال یہ تھا کہ آپ ﷺ آئندہ آنے والوں کے بارے میں کیسے کواہی دیں گے تو جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، تو ان کے بارے میں آپ کی شہادت یعنی شہادت ہوگی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے سعید بن المسیب کے اثر کو مُرسل قرار دیا ہے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس میں کسی رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں، جب معاملہ یہ ہو تو ایسی بات مرفوع (قولِ نبی) کے حکم میں ہوتی ہے، اسی وجہ سے ابن حجر نے اسے مُرسل کہا ہے۔ اور سعید بن المسیب کی مُرسل احادیث اتنی اصح اور قوی ہیں کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی انہیں قبول کرتے ہیں حالانکہ وہ تابعین کے مراسیل کو قبول نہیں کیا کرتے۔

حدیثِ حوض، حدیثِ عرضِ اعمال کی مؤید ہے

حدیثِ حوض، عرضِ اعمال والی حدیث کی تائید کرتی ہے۔ محدث ابو یعلیٰ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

ان لوگوں کو کیا ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا تعلق آپ کی قوم کو فائدہ نہ دے گا؟ ہاں رب ذوالجلال کی قسم میرا تعلق دنیا و

آخرت میں قائم ہے، اے لوگو! حوضِ کوثر پر نہیں تمہارا استقبال کروں گا، جب تم آؤ گے تو ایک آدمی کہے گا اے اللہ کے رسول! میں فلاں بن فلاں ہوں اور دوسرا کہے گا میں فلاں بن فلاں ہوں، تو میں کہوں گا نسب تو میں پہچانتا ہوں لیکن تم نے میرے بعد یہ بدعات گھڑ لیں اور راہِ راست سے ہٹ گئے۔

حافظ حدیث بیٹھمی نے کہا ہے کہ اس کے راوی عبد اللہ بن محمد بن عقیل کے علاوہ سب صحیح کے ہیں اور انہیں بھی ثقہ قرار دیا گیا، میں کہتا ہوں یہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ حافظ بیٹھمی نے ”مجمع الزوائد“ کے کئی مقامات پر اس کی تصریح کی ہے اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ”وَلَكِنَّكُمْ أَخْلَلْتُمْ بَعْدِي“ دلیل ہے اس بات کی کہ امت کے اعمال آپ ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں ورنہ آپ ان سے یہ نہ فرماتے۔

رشتہ داروں پر اعمال کی پیشگی اور مذکورہ حدیث

رشتہ داروں پر اعمال پیش ہونے والی حدیث بھی حدیثِ عرضِ اعمال کی تائید کرتی ہے ”کتاب المناجات“ کے شروع میں محدث ابن ابی الدنیا نے کہا ہے کہ ہمیں عبد اللہ بن شہیب نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو بکر بن شہیبہ الحزازی نے انہیں ملیح بن اسماعیل نے انہیں محمد بن جعفر بن ابی کثیر نے زید بن اسلم کے واسطے سے مجھے حدیث بیان کی اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بُرے اعمال کی وجہ سے اپنے مُردوں کو شرمندہ مت کرو کیونکہ قبروں میں مدفون تمہارے اعمال تمہارے عزیز و اقارب پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر اچھے اعمال ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر ایسے نہ ہوں تو وہ کہتے ہیں: اے اللہ! انہیں موت نہ دے جب تک کہ وہ ہدایت پر نہ آجائیں جیسا کہ تو نے ہمیں ہدایت دی۔

ابوداؤد الطیالسی نے فرمایا ہے کہ ہمیں حضرت حسن کے واسطے سے صلت بن دینار

نے حدیث بیان کی جو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

تمہارے اعمال تمہارے عزیز و اقارب کے ہاں قبروں میں پیش کئے جاتے ہیں، اگر عمل اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں ورنہ وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! انہیں توفیق دے کہ وہ تیری اطاعت و فرمانبرداری میں عمل کریں۔

یحییٰ بن صالح ابو حاطی کہتے ہیں کہ ہمیں ابو اسماعیل السکونی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن اُدی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

دنیا جا چکی صرف مکھیوں کی طرح باقی ہے جو اپنی فضا میں گھوم رہی ہو (شہد کی مکھیوں کی طرح باقی ہے جو اپنے چھتے میں جوش مار رہی ہوں) اللہ سے ڈرو اپنے بھائیوں کے بارے میں جو قبروں میں ہیں، کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ تمام احادیث مبارکہ اگرچہ ضعیف ہیں لیکن صحابہ و تابعین کرام کے آثار انہیں مضبوط کر دیتے ہیں اور تقاضا کرتے ہیں کہ ان کی بنیاد ہے، عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا ابو رہم کے واسطے سے مجھے ثور بن یزید نے حدیث بیان کی اور وہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

تمہارے اعمال (تمہارے) مُردوں پر پیش کئے جاتے ہیں، اگر عمل اچھے ہوں تو انہیں فرحت و بشارت نصیب ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں اے اللہ! یہ تیرے بندے پر تیری نعمت ہے تو ہی اس کو پورا کر دے اور اگر عمل اچھے نہ ہوں تو دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ!

اسے اس سے رجوع کی توفیق عطا فرما۔

حضرت ابن مبارک نے بھی یہی کہا کہ عبد الرحمن بن جبیر بن نصیر کے واسطے سے صفوان بن عمرو بن مجھے حدیث بیان کی کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تمہارے اعمال تمہارے مُردوں پر پیش کئے جاتے ہیں، وہ خوش ہوتے ہیں اور رنجیدہ بھی ہوتے ہیں، اور حضرت ابو الدرداء یہ بیان کرنے کے بعد یہ دعا کیا کرتے تھے: اے اللہ! ایسے عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو مجھے عبد اللہ بن رواحہ کے ہاں شرمندہ و رسوا کرے۔

اور محدث ابن ابی الدنیا نے بلال بن ابی الدرداء سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے سنا وہ سجدہ کی حالت میں کہہ رہے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ میرے ماموں ابن رواحہ ملاقات کے وقت مجھے مایوس نہ کریں۔

احمد بن ابی حواری نے کہا ہے کہ مجھے میرے بھائی ”محمد“ نے بتایا کہ عباد بن عباد، امراہیم بن صالح کے پاس آئے جب وہ فلسطین کے گورنر تھے، حضرت امراہیم نے درخواست کی مجھے آپ نصیحت فرمائیں، تو انہوں نے کہا اللہ رب العزت آپ کی اصلاح کرے آپ کو کیا نصیحت کروں؟ میرے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے مُردہ رشتہ داروں پر پیش کئے جاتے ہیں، تم فکر کرو، اللہ کے رسول ﷺ کے حضور تمہارے کون سے عمل پیش ہوں گے تو امراہیم رو پڑے، یہاں تک کہ ان کے آنسو ان کی داڑھی پر بہنے لگے۔ (اسے ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں روایت کیا ہے)

اور ابن مبارک نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا مردوں کے پاس زندوں کی خبریں بھی آتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، جو بھی کسی کا قریب رشتہ دار ہے، اس کے پاس اس کے عزیزوں کی خبریں آتی ہیں،

اگر اچھی خبر ہو تو اس سے خوش ہوتا ہے اور اگر بُری خبر ہو تو اس پر مایوس و غمگین ہوتا ہے۔ ابن قیم جوزی نے ”کتاب الروح“ میں کہا ہے کہ حضرت عمرو بن دینار سے صحیح روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا جو بھی مر جائے اپنے پسماندگان کو وہ ضرور جانتا ہے، وہ اسے غسل و کفن دے رہے ہوتے ہیں، اور وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور حضرت مجاہد سے صحیح روایت ہے کہ آدمی اپنی اولاد کے اچھے اعمال کی وجہ سے قبر میں خوش ہوتا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس باب میں صحابہ کرام سے بہت سارے آثار منقول ہیں۔

عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے عزیز واقارب میں سے ایک انصاری کہا کرتا تھا: اے اللہ! ایسے عمل سے جس کی وجہ سے میں عبد اللہ بن رواحہ کے ہاں رسوا ہوں تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور آثار اس باب میں بہت ہیں، اس مقام پر ان تمام کا ذکر کرنا مقصود نہیں اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، یہ تمام آثار حدیث مذکورہ کے لئے باعث تقویت بنتے ہیں کیونکہ عزیز واقارب پر عرضِ اعمال ان مغیبات میں سے ہے جن کا ادراک عقل و اجتہاد سے ناممکن ہے، اگر ان کے پاس اس بارے میں حدیث رسول ﷺ نہ پہنچتی تو وہ کبھی اس کا ذکر نہ کرتے، اور نہ محافل و عظ و نصیحت میں اس کا بیان کرتے۔ اور جب زندوں کے اعمال مُردہ رشتہ داروں پر اس لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ ان کے درمیان قرابت ہے جو شفقت و محبت اور بھلائی کا تقاضا کرتی ہے تو رسالتِ نبوی ﷺ زیادہ حقدار ہیں کہ ان پر اعمالِ امت پیش کئے جائیں کیونکہ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت امت پر اکمل و اتم ہے اور امت مسلمہ کو بھلائی پہنچانے میں آپ ﷺ زیادہ حریص ہیں، اور اس بات کی دلیل قرآن کریم میں موجود ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (۷)

اور شیخ ابن رجب نے عرضِ اعمالِ الٰہیاء علیٰ السموات (مردوں پر زندہ کے اعمال کا پیش ہونا) کے سلسلہ میں چند احادیث و آثار کا ذکر کرنے کے بعد کہا: یہ بات ثابت ہے کہ تمام امت کے اعمال کا حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہونا بمنزلہ والد کے ہے، پھر باب کے شروع میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث مذکور کو ذکر کیا اور کچھ اس کے شواہد بھی ذکر کئے۔

نوٹ: اور یہ کتاب ”احوال القیور“ میں جو مکہ مکرمہ سے شائع ہوئی ہے موجود نہیں ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ سہو اچھوٹ گئی ہے یا جان بوجھ کر چھوڑ دیا گیا؟

درود و سلام آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے

اور وہ بھی ایک عمل ہے

صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں اور یہ بھی مجملہ اعمال سے ہیں۔ امام احمد، امام ابو داؤد، امام نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم ان تمام حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں اور امام بیہقی نے ”حیۃ الانبیاء“ و ”شعب الایمان“ میں، ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات نے حسین بن علیؑ بھی کے واسطے سے ذکر کیا ہے کہ ہمیں عبدالرحمن بن یزید بن جابر نے ابو الأشعث صنعانی کے واسطے سے حدیث بیان کی اور وہ اوس بن اوس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

تمہارے دنوں میں جمعہ افضل ہے اس دن آدم (علیہ السلام) کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کی روح قبض ہوئی، اور اس میں تمہ اور صفت ہوں گے، تو مجھ پر کثرت سے اس دن درود پڑھو، کیونکہ تمہارے درود میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: آپ کی بارگاہ میں ہمارے درود

کیسے پیش ہوں گے حالانکہ آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حاکم نے کہا کہ امام بخاری کی شرط پر یہ حدیث صحیح ہے اور امام ڈھمی نے اسے تسلیم کیا ہے اور ابن خزیمہ، ابن حبان، حافظ عبدالغنی بن سعید اور امام نووی نے ”اذکار“ میں اور امام قرطبی نے ”الذکرہ“ میں اور حافظ ابو الخطاب بن وحیہ وغیرہم نے بھی اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اسے اس بنیاد پر ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن تمیم ضعیف سے مروی ہے، لیکن حسین بھی کو اشتباہ ہو گیا اور اس نے اسے عبدالرحمن بن یزید بن جابر جو ”ثقة“ ہیں سے روایت کر دیا لیکن یہ علت ضعیف باطل ہے۔ حافظ امام دارقطنی نے اس بطلان کو بالکل واضح طور پر بیان کرتے ہوئے کہا: حسین بھی نے بالیقین عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے ہی حدیث مذکور کو روایت کیا ہے وہ ہی صواب و صحت کے قریب تر ہے کہ بھی نے ابن جابر سے روایت کیا ہے نہ کہ ابن تمام سے، اور جو کچھ ابن تمیم سے روایت کیا جاتا ہے اور اس کے دادا کے نام میں خطا کی جاتی ہے حالانکہ وہ ابواسامہ ہے، جیسا کہ اکثر حضرات نے کہا ہے تو اس کی بنیاد پر جس حدیث کو حسین بھی نے ابن جابر بن ابی الأشعث اور وہ اوس سے روایت کرتے ہیں وہ صحیح حدیث ہے کیونکہ اس کے تمام راوی صدق، امانت، ثقاہت اور عدالت میں مشہور ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابو حاتم بن حبان، حافظ عبدالغنی المقدسی اور ابن وحیہ وغیرہم حفاظ کی کثیر جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی نے بھی اس میں کوئی کلام نہیں کیا اور نہ واضح دلیل کے ساتھ اس کا اعلان بیان کیا۔ اس کے بعد جس نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا، اس کا تسلی بخش رد کیا اس کے اس مقام کا مطالعہ ضروری ہے۔

اور ابن ماجہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسالت

ﷺ نے فرمایا:

جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ یہ دن مشہور ہے جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، جب بھی کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے لازماً وہ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ ان سے فارغ نہ ہو جائے۔

اسی طرح ابن وہب نے اپنی ”جامع“ میں روایت کیا ہے، حافظ منذری نے ”الترغیب والترہیب“ میں کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے اور اسی طرح علامہ سید سمودی نے ”وفاء الوفاء“ میں کہا ہے، حافظ ابن حجر نے ”تہذیب التہذیب“ میں کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن سند کے انقطاع کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی طرح آپ کے شاگرد رشید علامہ سخاوی نے ”القول البدیع“ میں کیا، اور حافظ بوسیری نے بھی اس کی سند کے انقطاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن عبد الہادی المقدسی نے ”الصارم المنکی“ میں کہا ہے کہ اس حدیث میں اگرچہ کچھ سقم ہے لیکن یہ دوسری حدیث کے لئے شاہد اور اسے قوت دیتی ہے۔

میں کہتا ہوں انقطاع کے علاوہ اس میں کوئی اور کمزوری نہیں ہے اور اس کا معاملہ بھی قریب ہے البتہ زید بن الحسین کے مجہول ہونے کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دینے کی کوشش کرنا ناپسندیدہ ہے، کیونکہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

مذکورہ تمام حفاظ حدیث خصوصاً علامہ منذری اور علامہ عسقلانی کا اسے صحیح قرار دینا اور مضبوط کر دیتا ہے۔

اور امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام بیہقی نے ”حیات انبیاء“ میں اور ابن نفیل نے ”معروف جز“ میں عبد اللہ بن مافع سے روایت کیا ہے اور وہ ابن ابی ذئب سے روایت کرتے ہیں اور وہ سعید بن ابی سعید المقمری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اپنی گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارے پڑھے ہوئے درود تم جہاں بھی ہو مجھ تک پہنچتے ہیں۔

اس کے تمام راوی ثقہ ہے، اور ابن عبد الہادی نے ”الصارم المنکی“ میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے کہ اس کی سند حسن ہے اور امام نووی نے اسے ”الاذکار“ میں صحیح قرار دیا ہے۔

اور ابن ابی شیبہ و ابن مردویہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ وہ مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اور ابو الشیخ نے ”کتاب الثواب“ میں ابو معاویہ کے واسطے سے روایت کیا ہے اور وہ امام اعظمی سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا، وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے درود پڑھا مجھے بتایا جاتا ہے۔

ابن قیم نے کہا یہ روایت غریب ہے لیکن امام سخاوی نے اپنے شیخ ابن حجر سے روایت کیا ہے کہ اس کی سند جید ہے اور طبرانی نے بھی ”اوسط“ میں انہیں سے روایت کیا ہے کہ رسالتاً ﷺ نے فرمایا:

اللَّيْلَةُ الزَّهْرَاءُ (جمعہ کی رات) اور الْيَوْمُ الْأَنْعَرُ (جمعہ کے دن) مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اس کی سند ضعیف ہے، لیکن امام سخاوی نے فرمایا ہے کہ شواہد کے ساتھ یہ مضبوط ہو جاتی ہے۔

اور عبدالرزاق نے مجاہد سے روایت کیا ہے اور وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا آپ ﷺ بہت ہی خوش ہیں، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نہیں جانتا آج سے پہلے کبھی میں نے آپ ﷺ کو خوش دیکھا ہو؟ تو آپ ﷺ فرمایا:

مجھے کیا چیز مانع ہے حالانکہ جبریل امین ابھی ابھی میرے پاس سے گئے ہیں، انہوں نے مجھے خوشخبری دی ہے کہ جس انسان نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اس کے عوض اس کی دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور دس درجے اس کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور مجھ پر ویسے ہی درود پیش کئے جاتے ہیں جیسا کہ اس نے پڑھے تھے اور جتنی مرتبہ اس نے پکارا اتنی مرتبہ اس کو جواب دیا جاتا ہے۔

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے ”الشعب“ اور ”حیۃ الانبیاء“ میں ابو رافع کے واسطے سے ذکر کے ہے اور وہ سعید مقبری سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ جو بھی جمعہ کے دن مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ ضرور مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اور ابو رافع اسماعیل بن رافع مدنی، جمہور کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن امام بخاری نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور یعقوب بن سفیان نے کہا ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث شواہد اور متابعات کی صلاحیت رکھتی ہے، اور ابن مبارک نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج

نہیں ہے اور ممکن ہے کہ حاکم نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کو صحیح قرار دیا ہو۔ (اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

اور بیہقی نے حماد بن سلمہ کے واسطے سے برد بن سنان سے روایت کیا ہے اور وہ مکحول شامی سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

مجھ پر ہر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجا کرو، کیونکہ میری امت کے درود ہر جمعہ مجھے بھیجے جاتے ہیں، جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والا ہو گا وہ سب سے زیادہ میرے قریب تر ہوگا۔

علامہ حافظ منذری نے کہا ہے کہ اس کا اسناد حسن ہے مگر مکحول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ابو امامہ سے نہیں سنا اور ”الصارم المنکی“ میں صفحہ ۱۸۹ پر ہے کہ اس کا اسناد ضعیف ہے، ہاں البتہ اس میں ارسال ہے کیونکہ مکحول نے ابو امامہ سے نہیں سنا اور امام سخاوی نے ”القول البدیع“ میں فرمایا ہے کہ امام بیہقی نے حدیث مذکور کو حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کی قبولیت میں کوئی مضائقہ نہیں مگر جمہور کے قول میں کہا گیا ہے کہ مکحول نے ابو امامہ سے نہیں سنا، ہاں مسند شامیین میں ان کی ابو امامہ سے سننے کی تصریح کی ہے۔

اور علامہ مزی نے بھی ”العہد یب“ میں مکحول کی ابو امامہ سے سماعت کو ترجیح دی ہے تو اس بنیاد پر یہ سند متصل حسن ہے، اور طبرانی نے بھی ضعیف اسناد کے ساتھ مکحول سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ رب العزت اس پر دس مرتبہ رحمتیں بھیجتا ہے، اور ایک مومل فرشتہ ہے جو انہیں مجھ تک پہنچاتا ہے۔

اور محمد بن اسماعیل وراق نے فرمایا کہ ہمیں جبارہ بن مغلس نے حدیث بیان کی کہ ہمیں ابواسحاق حازم نے یزید رقاشی سے حدیث بیان کی اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسالتِ مآب ﷺ نے فرمایا:

مجھ پر جمعہ کے دن کثرت سے درود بھیجو کیونکہ تمہارے یہ درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔

اور علامہ ابن قیم نے فرمایا ہے کہ یہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن استشہاد کی صلاحیت رکھتی ہے اور طبرانی نے ”اوسط“ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچتا ہے، اس شخص کے لئے دعا کرتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حافظ منذری نے فرمایا کہ اس کی اسناد میں کوئی خدشہ نہیں۔

اور ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں عبد اللہ بن مافع کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ ہمیں علاء بن عبد الرحمن بن خبردی ہے کہ میں نے حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اپنے گھروں میں نماز پڑھو، انہیں قبرستان نہ بناؤ اور میرے گھر کو عید نہ بناؤ مجھ پر درود و سلام پڑھو کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارے درود و سلام مجھے پہنچتے ہیں۔

اور طبرانی نے ”الکبیر“ اور ”اوسط“ میں حمید بن ابی زینب کے واسطے سے روایت کیا ہے اور وہ حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد گرامی سے کہ رسالتِ مآب ﷺ نے فرمایا:

تم جہاں بھی ہو مجھ پر صلوٰۃ پڑھو، کیونکہ تمہارے درود مجھ تک پہنچتے ہیں۔

حافظ منذری نے فرمایا کہ اس کی سند حسن اور قاضی ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

اور قاضی ابو عبد اللہ حسین بن اسماعیل محاطی نے کہا ہمیں ابو حاتم رازی نے حدیث بیان کی کہ ہمیں ابن ابی مریم نے بتایا کہ ہمیں محمد بن جعفر نے حدیث بیان کی کہ مجھے حمید بن ابی جعفر حسن بن علی علیہما السلام نے روایت کی اور وہ اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھے پہنچتے ہو۔

اور ابن ابی شیبہ نے ”مصنف“ میں نقل کیا کہ ہمیں ابو خالد احمر نے ابن عجلان سے حدیث بیان کی اور وہ اہل سے اور اہل سے حسن بن حسن سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان، تم جہاں بھی ہو

مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تمہارے پڑھے ہوئے درود مجھے پہنچتے ہیں۔

اس کی سند صحیح ہے اور یہ مُرْسَل ہے مگر حکم موصول میں ہے جیسا کہ واضح ہے کیونکہ یہی حدیث حضرت حسن اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے پہلے گزر چکی ہے، اور ابویعلیٰ نے کہا ہے کہ ہمیں ابو بکر بن ابی شیبہ نے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زید بن حباب نے اور وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن ابی امامہ ”جو ذوالجناحین کی اولاد سے ہیں“ نے اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حسن نے بتایا کہ انہوں نے ایک آدمی کو حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس آتے دیکھا اس نے اندر داخل ہو کر دعا کی تو اسے حضرت علی بن حسن نے کہا کہ میں تجھے اپنے والد گرامی سے روایت کردہ حدیث نہ سناؤں؟، جو انہوں نے میرے جد امجد

سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری قبر کو عید نہ بناؤ نہ اپنے گھروں کو قبرستان، مجھ پر سلام پڑھو تم جہاں بھی ہو تمہارے سلام مجھے پہنچتے ہیں۔

علامہ سخاوی نے ”القول البدیع“ میں فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔

میں کہتا ہوں بلکہ اس کی تخریج ”الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد المقدسی نے ان احادیث صحیحہ میں کی ہے جو بخاری و مسلم میں نہیں ہیں“ حافظ ابن عبد الہادی نے ”الصارم المنکی“ میں فرمایا: مقدسی کے شرائط حاکم کی شرائط سے احسن ہیں۔ اور ابوالشیخ، بزار، طبرانی، حارث بن ابی اسامہ وغیرہم نے نعیم بن مضمم کے واسطے سے ذکر کیا اور وہ ابن حمیری سے اور وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اللہ رب العزت کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ رب العزت نے پوری مخلوق کے نام عطا فرمائے ہیں جب میں اس دنیا سے جاؤں گا وہ میری قبر پر قائم رہے گا جو بھی مجھ پر درود بھیجتے ہیں تو وہ کہتا ہے یا محمد ﷺ فلاں بن فلاں نے آپ پر درود بھیجتا ہے تو ہر صلوٰۃ کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔

نعیم بن مضمم نے کہا ہے کہ منذری نے کے خیال کے مطابق اس میں اختلاف ہے اور امام ذہبی نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے ”اللسان“ میں فرمایا ہے کہ اس وقت تک میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے اسے ضعیف قرار دیا ہو اور ابن حمیری جن کا نام عمران ہے، اسے امام بخاری نے کمزور قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی حدیث میں پیروی نہیں کی جاتی، لیکن ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا ہے اور باقی حدیث مذکور کے راوی صحیح کے راوی ہیں، جیسا کہ حافظ ہاشمی

نے فرمایا ہے اور امام احمد، امام نسائی، امام دارمی، ابو نعیم، بیہقی اور خلعی وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

کچھ اللہ رب العزت کے سیاح فرشتے ہیں جو میری اُمت کا مجھے سلام پہنچاتے ہیں۔

ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ابن عدی نے بھی ابن عباس سے ایسے ہی روایت کیا ہے اور علامہ دیلمی نے ”مسند الفردوس“ میں کہا ہے کہ ہمیں میرے والد گرامی نے بتایا کہ ہمیں ابو الفضل کرامی نے بتایا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو العباس ابن ترکان نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موسیٰ بن سعید نے حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ میں احمد بن حماد بن سفیان نے حدیث بیان کی، اور وہ کہتے ہیں ہمیں بکر بن خراش نے فطر بن خلیفہ سے روایت کی اور وہ ابو الطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور انہوں نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

مجھ پر کثرت سے درود پڑھو، کیونکہ اللہ رب العزت نے میری قبر کے ہاں ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جب بھی میری اُمت کا کوئی فرد مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ پکار کر کہتا ہے یا محمد ﷺ فلاں بن فلاں نے آپ پر ابھی درود پڑھا ہے۔

علامہ حافظ سخاوی کی رائے کے مطابق اس کی سند میں ضعف ہے، الحافظ ابن ہکوال نے حافظ سخاوی کی طرح ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

اللیلۃ الزہراء (جمعہ کی رات) اور الیوم الاخر (جمعہ کے دن) تم مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں تو میں تمہارے لئے دعا کرتا ہوں اور بخشش طلب

کرنا ہوں۔

اور ابن راہویہ، حریفی، ابن بشران اور علامہ بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ”امت محمد یہ کا کوئی بھی فرد جب آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو آپ ﷺ کو وہ درود پہنچتے ہیں، فلاں عرض کرتا ہے فلاں، فلاں شخص آپ کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام پیش کرتا ہے۔“ اس کی سند صحیح ہے، یہ حدیث ہے تو موقوف لیکن مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ حدیث میں جس چیز کا بیان ہے اس میں عقل اور اجتہاد کوئی دخل نہیں۔ (تو لا محالہ صحابی نے حضور ﷺ سے سن کر ہی کہا)

اور حافظ ابو عبد اللہ المقدسی نے ”المختارۃ“ میں کہا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد بن معمر نے اصفہان میں ہمیں خبر دی ہے کہ جعفر بن عبد الواحد نے ان کو اجازت دے کر بتایا کہ ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد بن احمد بن عبد الرحمن ہمدانی نے ہمیں خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو محمد عبد اللہ بن جعفر بن حیان (المعروف ابو الشیخ) نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عامر نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو قر صافہ، چندرہ جو صحابی رسول ﷺ تھے اور انہیں رسالت مآب نے ٹوپی بھی پہنائی تھی، لوگ ان کے پاس آتے جاتے تھے تو وہ ان کے لئے دعا کرتے، انہیں برکت حاصل ہو جاتی۔

رب کعبہ کی قسم! میرے والد نماز کے لئے بیدار کرتے ہیں

ابو قر صافہ کے صاحبزادے بلادِ روم میں جہاد کے لئے گئے تھے، ابو قر صافہ صبح صادق کے وقت عسقلان میں بلند آواز کے ساتھ پکارتے یَا قُرْصَافَةُ الصَّلَاةُ تو بلادِ روم میں قر صافہ کہتے بلکہ اے ابا جان تو ان کے دوست کہتے، تمہیں کیا ہو گیا آوازیں کستے رہتے ہو، تو وہ کہتے رب کعبہ کی قسم! میرے والد گرامی مجھے صبح کی نماز کے لئے

بیدار کرتے ہیں۔

یہی ابو قر صافہ کہتے ہیں، میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رات کو سونے کے وقت بستر میں داخل ہو کر جس نے ”سورہ تبارک“ کے بعد اَللّٰهُمَّ رَبَّ الْجَلِّ وَ الْحَرَامِ وَ رَبَّ الْبَلَدِ الْحَرَامِ وَ رَبَّ الرُّكْنِ وَ الْمَقَامِ وَ رَبَّ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ بِحَقِّ كُلِّ آيَةٍ اَنْزَلْتَهَا فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ يَلْغُ رُوْحُ مُحَمَّدٍ مِنْ تَحِيَّةٍ وَ سَلَاماً یعنی، اے اللہ! حل و حرام کے رب، بلد حرام کے رب، حجر اسود کے رب، مقامِ ابراہیم کے رب اور مشعرِ حرام کے رب، و بحق ہر آیت کریمہ جو تو نے رمضان شریف میں نازل فرمائی، روج محمد ﷺ کو میری طرف سے سلام کے تحفے پہنچا دے۔

چار مرتبہ پڑھا تو اللہ رب العزت دو فرشتے مقرر فرماتا ہے وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہی عرض کرتے ہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں:

فلاں بن فلاں کو میری طرف سے سلام، اللہ رب العزت کی رحمت اور برکت ہو۔

حافظ مقدسی کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو اسی واسطہ ہی سے جانتا ہوں اور یہ نہایت غریب ہے، اس کے راویوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں قیل و قال کیا گیا ہے، ابن قیم جوزی کہتے ہیں کہ یہ معروف یہ ہے کہ یہ امام ابو جعفر باقر کا قول ہے نہ کہ فرمانِ نبوی اور یہی بات مختار ہے۔ ایسی حدیث کا ادراک عقل و اجتہاد سے ناممکن ہے تو اس کے لئے بھی مرفوع کا حکم ہے۔

سعید بن منصور نے اپنی ”سنن“ میں کہا ہے کہ ہمیں حبان بن علی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں مجھے محمد بن عجلان نے ابو سعید جو مہری کے غلام ہیں کے واسطہ سے

حدیث بیان کی کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

میرے گھر کو عید بناؤ نہ اپنے گھروں کو قبرستان تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، کیونکہ تمہارے درود مجھے پہنچتے ہیں۔

اور قاضی اسماعیل نے کہا کہ ہمیں سالم بن سلیمان قصی نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو حرقہ نے حسن کے واسطے سے حدیث بیان کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ وہ مجھے پیش کئے جاتے ہیں۔

اور ابراہیم بن حجاج سے بھی یہی روایت کیا گیا وہ کہتے ہیں کہ ہمیں دھیب نے ایوب کے واسطے سے حدیث سنائی کہ میرے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ ایک فرشتہ مقرر ہے کہ جو شخص رسالت مآب ﷺ پر درود پڑھے وہ پہنچاتا ہے۔

اور قاضی اسماعیل نے بھی فرمایا ہے کہ ہمیں عبدالرحمن، یزید رقاشی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ

جمعہ کے دن ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے حضور ﷺ پر جو شخص درود پڑھے وہ ان تک پہنچاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ آپ کی امت کا فلاں آدمی آپ کی خدمت اقدس میں درود پڑھ رہا ہے۔

اور سعید بن منصور نے اسے اپنی ”سنن“ میں روایت کیا ہے اور یحییٰ بن مخلد اور ابن بکوال نے اسے روایت کیا لیکن انہوں نے یوم الجمعہ کا ذکر نہیں کیا اور سعید بن منصور نے اپنی ”سنن“ میں خالد بن معدان سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

ہر جمعہ مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ میری امت کے پڑھے ہوئے درود ہر جمعہ کو میری بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

اور نمیری نے حماد الکوفی سے روایت کیا ہے کہ بندہ جب اپنے نبی ﷺ پر درود

سلام پڑھتا ہے تو اس آدمی کے نام کے ساتھ آپ ﷺ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔

تو ان احادیث اور آثار جن کی تعداد پندرہ سے زیادہ ہے واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے صلوٰۃ و سلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی منجملہ اعمالِ امت سے ہیں جو نبی ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں، تو ان تمام دلائل و شواہد کے ہوتے ہوئے ”حیاتِ نبی خیر لکم“ والی حدیث سے انکار کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے؟ اگر وہ ضعیف بھی ہو تو ان شواہد کے ذریعہ سے وہ قبولیت کے معیار کو پہنچ جاتی ہے حالانکہ ان شواہد و آثار سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اسی حدیث ہی کو دیکھا جائے تو یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور علماء اصول و حدیث ہی کو دیکھا جائے تو یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور علماء اصول و حدیث نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا ہے کہ حدیث مُرسَل کی دوسری ایسی سند سے مروی ہو جو متصل ہو خواہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو تو ان دونوں (متصل و مُرسَل) کا مجموعہ صحیح کہلائے گا یہ دلیل بن سکیں گی اور ان پر عمل کرنا ضروری ہو گا، اگر ہم ابن مسعود کی صحیح روایت سے صرف نظر کرتے ہوئے بکر مزی کی مُرسَل کو حضرت انس سے مروی دونوں ضعیف حدیثوں کے ساتھ ملا لیں تو حدیث مذکور پھر بھی صحیح ہے، یہ اس وقت ہے جب ہم جمہور کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہیں کہ حدیث مُرسَل ضعیف ہوتی ہے جب تک شواہد نہ ہوں، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

جب ہم مالکیہ و حنفیہ کا قول لیں

لیکن جب ہم مالکیہ اور حنفیہ کے قول پر عمل کریں تو تنہا مُرسَل کو صحیح قرار دیتے ہیں تو اس پر بلا چون و چرا عمل کیا جائے گا چنانچہ علامہ عراقی نے ”الفتاویٰ“ میں حنفیہ اور مالکیہ کا حدیث مُرسَل کے بارے میں یہ مذہب بیان کیا ہے:

و احتج مالک کذا النعمان بہ و تابعوہما و دانوا

امام مالک اور امام اعظم، نعمان بن ثابت نے اسے حجت قرار دیا

اور مالکیوں اور حنفیوں نے اپنے اپنے امام کی پیروی کی۔

اب تو تنہا امام بکر مزی کی مُرسَل صحیح ٹھہری اس پر عمل کرنا ضروری ہے کیونکہ اس کی دو سندیں ہیں، ایک کو حافظ ابن عبد اللہ نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ وہ اس معاملہ میں بہت سخت ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب میں انہوں اس سند کو صحیح قرار دیا ہے جو انہوں نے ابن تیمیہ کی مدد کرتے ہوئے امام سبکی کے رد میں لکھی اور ہم ان کی تصحیح نقل کر چکے ہیں، مقصود اس سے یہ ہے کہ حدیث کے مقررہ تمام قواعد کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

میں مخالفین کو چیلنج کرتا ہوں

جو اس کا منکر ہے میں اسے چیلنج کرتا ہوں کہ قواعد حدیث اور قواعد اصول کے مطابق اسے موضوع قرار دے کر دکھائے بشرطیکہ وہ علمی بحث اور حق و انصاف کے مطابق چلے تو اسے موضوع قرار دینے کی راہ بھی نہ پاسکے گا، البتہ عبارات میں کذب بیانی، نص کا نقل کرنے میں تحریف کرنا، فریق مخالف کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا اس سے کوئی بھی عاجز و کمزور نہیں اور اس میدانِ کمینگی و شتم (گالی گلوچ) میں سب سے بڑا ماہر وہی ہے جو بہت بڑا جاہل اور اخلاق حمیدہ سے عاری ہو، ہمارے مخالف جو کہنا چاہیں کہیں، جیسا چاہیں اپنے اعمال نامہ کو سیاہ کرتے پھریں، ہم اس میدانِ کمینگی و سفاہت میں جس کے وہ ماہر ہیں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہم اپنے مطالبے سے ہٹ نہیں سکتے، ہمارا تو ایک ہی مطالبہ ہے کہ وہ صحیح علمی انداز سے حدیث مذکور کا موضوع ہونا ثابت کر دکھائیں، انشاء اللہ اس پر انہیں قدرت نہیں ہوگی اور محمد اللہ نہ اس تک پہنچ پائیں گے۔

واللہ یقول الحق و هو یمہدی السبیل

﴿باب دوم﴾

وارد کردہ اعتراضات کے جوابات

مخالفین نے حدیث مذکور پر چند اعتراضات کئے ہیں، بعض حضرات سے تو متعدد محافل میں ہم نے بلا واسطہ سنا، اور کچھ حضرات نے انہیں اپنے رسائل کی زینت بنایا، ہم ان دونوں کی حالت کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرا دیئے اور ان کے لئے دعائے خیر کی، اس لئے کہ ہم نے ان کے اعتراضات کو ایسے پایا جیسے بخار زدہ آدمی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم قول کو ان کے حق سے محروم نہیں کرتے، ہم نے ان کے ایک ہی اعتراض کو ایسا پایا ہے جسے علمی بحث کے مُسلمہ اصولوں کے مطابق کہا جاسکتا ہے، اور تعارض کے باب میں داخل کیا جاسکتا ہے، چنانچہ اس پر بات کرنے کے لئے ہم نے ایک مستقل باب قائم کیا ہے تاکہ اس چیز کو واضح کیا جاسکے جو اکثر حضرات سے مخفی رہی، اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ انہوں نے جو حدیث حوض کے ضمن میں فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

قیامت کے دن میرے صحابہ کی ایک جماعت (حوضِ کوثر) پر میرے پاس آئے گی تو انہیں حوضِ کوثر سے دور کر دیا جائے گا تو میں کہوں گا اے میرے رب میرے صحابہ! تو اللہ رب العزت فرمائے گا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے (دین میں) کیا کیا چیزیں پیدا کیں؟ وہ پچھلے پاؤں مرتد ہو گئے تھے۔

دوسری روایت میں کچھ اضافہ کے ساتھ ہے کہ میں کہوں گا:

ہلاکت ہے اس کے لئے جس نے میرے بعد تہدیلی کی، تباہی ہے اس کے لئے جس نے میری بعد تہدیلی کی۔

یہی حدیثِ حوض کا خلاصہ ہے، صحیحین میں اس کے الفاظ اور سندیں مختلف ہیں۔

سب سے مضبوط اعتراض

اور قسم بخدا، ان کا یہی مضبوط اعتراض ہے بلکہ حقیقت میں اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اعتراض ہے ہی نہیں اور اس کو بھی انہوں نے اس تعبیر سے مضبوط کیا ہے:

إذا (جہل) حال أصحابہ الذین عرفوہ و عرفہم فغیرہم

من باب اولی

یعنی، جب وہ اپنے ان صحابہ کے حال سے (جاہل) ہیں جو انہیں

جانتے نہیں اور وہ ان کو جانتے ہیں تو دوسروں سے بطریقِ اولیٰ

(بے خبر ہوں گے)۔

تو تمہارا یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ امت کے اعمال ان پر پیش کئے جاتے ہیں؟

میں نے ان میں سے ایک کے کلام کو اسی کے الفاظ میں نقل کرنے کو اس لئے ترجیح دی

تا کہ قارئین غور و فکر کریں اور دیکھیں کہ وہ کیسے نبی کریم ﷺ کی طرف نہایت ہی سوجھ بوجھ سے

اور گستاخانہ الفاظ منسوب کرتے ہیں، اس واعظ کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ اپنے مقصد کو

ان کلمات سے تعبیر کرتا:

إذا کان لا یعلم حال أصحابہ الخ

یعنی، جب وہ اپنے صحابہ کے حالات کو نہیں جانتے۔

تو نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ ادب کا انداز تھا اور اس حدیث کی عبارت

کے بھی موافق تھا جس سے اس نے استدلال کیا لیکن اس نے لفظ (جہل) کو ہی ترجیح

دی، تو اس سے قاری کیا سمجھے گا؟ بالکل اسی طرح ان کے ایک اور کی بات:

إن حدیث الحوض یضرب حدیث (حیاتِ نبوی خیر لکم)

بالخذاء

حدیثِ حوض حدیثِ حیاتِ نبوی خیر لکم کو جوتے مارتی ہے۔

ان کا علمی مناقشہ دیکھئے اس کے بعد جو چاہیں ان پر حکم لگائیں، ہماری سابقہ گفتگو

کے مطابق حدیثِ حوض بھی صحیح ہے، اگر ہم ان کی طرح جھگڑالو، فتنہ باز اور لڑاکے ہو

جائیں تو حدیثِ حوض کے صحیح ہوتے ہوئے بھی ہم اسے رد کر سکتے ہیں، اس سلسلہ میں

ہمارے پاس بہت مضبوط توجیہ موجود ہے، لیکن اللہ کی پناہ کہ ہم جھگڑالو بن جائیں یا کسی

کو مغالطہ دیں بلکہ مسئلہ اصولوں کے مطابق ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔

ایک تمہیدی مقدمہ

جس کے تمہیدی طور پر ہم ایک مختصر سا مقدمہ ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ علوم

حدیث اور اصولِ حدیث میں معمولی سا ذکر رکھنے والا شخص بھی بخوبی جانتا ہے کہ جب

دو دلیلیں باہم متعارض آجائیں تو محقق کو چاہئے دیکھے کہ دونوں کا جمع ہونا ممکن ہے؟ اگر

دونوں کا جمع ہونا ممکن ہو تو اسی پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ اس صورت میں دونوں دلیلوں پر

عمل ہونا ہے اور دونوں دلیلوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا بھی ممکن نہیں کیونکہ اس

صورت میں کسی ایک کو چھوڑنا اور لغو قرار دینا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں، ہاں البتہ جب

دونوں دلیلوں کا جمع ہونا مشکل ہو، بلکہ ان کے جمع ہونے کی صورت بھی ممکن نہ ہو تو ترجیح

کی طرف رجوع کریں گے اور قوی تر کو دوسری پر مقدم کیا جائے گا، اگر وہ دونوں دلیلیں

قوت میں برابر ہیں اور وہ ایک دوسرے کے لئے مانع بھی نہ بن سکیں تو دونوں کو چھوڑ کر

تیسری کسی اور دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا، یہ بات ہر محقق، اسکالر اور صاحبِ فن

جانتا ہے اور اسی پر صحابہ و تابعین سے لے کر تمام علماء کا عمل رہا ہے۔

صدیق اکبر اور دلائل میں تطبیق

کیا آپ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو نہیں دیکھا کہ کیسے

انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اللہ کے رسول ﷺ کے ترکہ سے وراثت دینے سے معذرت کر لی تھی حالانکہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ ”يُؤْتِيكُمُ اللَّهُ فِيْ اَوَّلَادِكُمْ“ سے استدلال بھی کیا تھا تو صحیحین کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسالہ مآب ﷺ کے:

لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا مِنْ صَدَقَةٍ

یعنی، ہم کسی کو وارث نہیں بناتے جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے۔

والے فرمان مبارک سے اسے خاص کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں دلیلوں کو جمع کرنے پر ہمیں انتہائی راغب نظر آتے ہیں، آپ غور فرمائیں، انہوں نے کیسے قرآن کریم کو حدیثِ رسول ﷺ کے ساتھ خاص کیا، ان کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ وہ صرف قرآن کریم کو لے لیتے باقی سب کو چھوڑ دیتے، جیسا کہ آج کل بدعتی ایسا کرتے ہیں، لیکن بغیر کسی شرعی گنجائش کے دلیل صحیح کو چھوڑنا حرام ہے۔

اس قسم کی مثالیں بہت ہیں، گُلبِ حدیث اور اصولِ حدیث کی کتابوں کے صفحات ان سے معمور ہیں، ہم نے محض اپنے مقصود کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال کا ذکر کیا ہے۔

حدیثِ حوض اور حدیثِ عرضِ الاعمال میں عدم تعارض کی وجوہ

آپ نے تمہید سمجھ لی تو ہم کہتے ہیں کہ حدیثِ حوض اور عرضِ الاعمال والی حدیث میں تعارض ہے نہ تناقض، اس کی وضاحت مختلف وجوہ سے کی جاسکتی ہے۔

۱۔ حدیثِ حوضِ مُردین کے بارے میں ہے

حدیثِ حوضِ مُردین کے بارے میں ہے جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قبیصہ سے روایت کیا ہے کہ وہ لوگ جو حوض سے دور کر دیئے جائیں گے وہی لوگ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مرد ہو گئے تو انہوں نے ان کے خلاف

جہاد کیا، حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں ”انہم ارتدوا علی اعقابہم“ کے تحت یہ تحریر کیا ہے یہ ”باب کیف الحشر“ میں حضرت سے منقول تفسیر کے عین مطابق ہے، الخ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مردین کے اعمال آپ ﷺ پر پیش نہیں کئے جائیں گے کیونکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کے اور آپ ﷺ کے درمیان تعلق منقطع ہو گیا۔ العیاذ باللہ تو جب آپ ﷺ ان کو بلائیں گے اور فرمائیں گے: ”اے میرے رب! میرے صحابہ تو آپ ﷺ کا یہ خیال ہوگا کہ جیسا کہ آپ ﷺ نے ان کو چھوڑا تھا وہ اسی حالت پر رہے“ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ”آپ کے بعد وہ مرد ہو گئے تھے، آپ کے اور ان کے تعلق نہ رہا۔“

لیکن عرضِ الاعمال والی حدیث آپ ﷺ کی اُمت کے مسلمانوں کے لئے وارد ہوئی ہے کیونکہ قرآن کریم کے مطابق کافروں کے لئے تو استغفار جائز ہی نہیں۔

۲۔ حدیثِ حوض دوسری حدیث کے لئے تخصّص ہے

حدیثِ حوض خاص اور حدیثِ عرضِ الاعمال عام ہے تو پہلی حدیث دوسری کے لئے تخصّص ہوگی۔ اس کی وضاحت یوں ہے پہلی حدیث بتاتی ہے کہ اُمتِ مسلمہ کا ایک گروہ حوض سے دور کر دیا جائے گا، اور دوسری حدیث سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت کے اعمال آپ ﷺ کے حضورِ روضہ انور میں پیش کئے جاتے ہیں، تو پہلی حدیث سے یہ خاص ہو جائے گی اس کا مفہوم کچھ یوں ہو جائے گا کہ پوری اُمت کے اعمال آپ ﷺ کے حضور پیش کئے جائیں گے مگر ان میں سے ایک گروہ کے اعمال آپ ﷺ کے حضور پیش نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ رب العزت چاہتا ہے کہ ان میں حکم سزا نافذ رہے تو جب رسالہ مآب ﷺ ان کو حوض کی طرف بلائیں گے تو آپ ﷺ کو کہا جائے گا، آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے کیا گل کھلائے؟ اسی لئے اس گروہ کے اعمال آپ ﷺ کے حضور پیش نہیں کئے گئے اور ہر خاص اور عام کا یہی معاملہ ہے کہ جب

دونوں جمع ہو جائیں تو عام کو خاص کے ذریعہ خاص کیا جاتا ہے اور دونوں دلیلیں باہم متعلق ہو جاتی ہیں۔

حدیثِ حوض کے خاص ہونے پر دلائل

باقی حدیثِ حوض دو وجوہ کی بنا پر خاص ہے۔

(۱)..... ایک وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے مثلاً بعض روایات میں لبذا دن رجال بعض میں أناس، أقوم، رھط کے الفاظ آئے ہیں، یہ سارے جمع اور نکرہ کے صیغے ہیں جو تحت الاثبات واقع ہوئے ہیں، اور اصولی قاعدہ ہے کہ جمع منکر تحت الاثبات عموم کا قاعدہ نہیں دیا کرتی۔ (۸)

(۲)..... دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم بدلتہ جانتے ہیں کہ ساری امت حوض سے دور نہیں کی جائے گی بلکہ فقط ان میں سے ایک گروہ دور کیا جائے گا اور یہی خصوص ہے، باقی عرض اعمال والی حدیث اس لئے عام ہے کہ آپ ﷺ کے ارشاد ”نَعْرِضْ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ“ میں لفظ اعمال جمع مضاف ہے اور اصولی قاعدہ ہے کہ جمع مضاف ان صیغوں میں سے ہے جن کی حقیقی طور پر وضع ہی عموم کے لئے ہے۔

۳۔ اعمال کی پیشگی اجمالاً ہوتی ہے

عرض اعمال اور استغفار دونوں اجمالی طور پر ہوں گے مثلاً کہا جائے گا آپ کی امت نے یہ یہ نیکیاں کی ہیں، اسی طرح فلاں، فلاں گناہ کئے ہیں تو آپ ﷺ ان کی

۸۔ چنانچہ علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسبی متوفی ۷۱۰ھ ”المنار“ عام کی بحث میں لکھتے ہیں: ”مکرہ موضع اثبات میں خاص ہوتا ہے“ اسی طرح اصول فقہ کی دیگر کتب میں بھی مذکور ہے اور منار کے فتراح نے عموم کا قاعدہ نہ دینے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ (مکرہ) ایک فرد کے لئے ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ایسی چیز مقرر نہیں ہو جو عموم کو واجب کرے جیسا کہ صاحب ذر علامہ علاء الدین حصکلی نے ”افاضۃ الانوار“ میں ابن ملک نے ”شرح منار الانوار“ میں اور ابن العینی نے اپنی شرح میں اور علاء احمد جویون نے ”نور الانوار“ میں لکھا ہے ۱۲، محمد عطاء اللہ نعیمی

نیکیوں پر اللہ رب العزت کی حمد بیان کریں گے جب کہ مافرمانیوں کی صورت میں ان کے گناہوں کی اللہ رب العزت سے مغفرت طلب کریں گے، جیسا کہ فرمان الہی ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْبِكَ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (۹)

ترجمہ: اپنے معاملات پر اور اہل ایمان مرد اور خواتین سے مغفرت بھیجے۔

لیکن حدیثِ حوض ”لَا تَذَرْنِي مَا أَخَذْتُوَا بَعْدَكَ“ کا مفہوم یہ ہے کہ آپ تفصیلاً ہر ہر فرد کے بارے میں نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا؟ البتہ آپ اجمالی طور پر جانتے ہیں، (۱۰) اس کی مزید وضاحت کے لئے محسوس مثال یوں ہے کہ ہم میں سے ہر شخص سارے جہان کے حالات اجمالی طور پر جانتا ہے کیونکہ اخبارات، رسائل، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ اطرافِ عالم کے حالات کسی سے مخفی رہے، لیکن تفصیلی طور پر ہر شخص اور ہر ملک کی ہر جگہ کے حالات نہیں جانتا، اسی طرح ہم میں سے کوئی کہتا ہے ”اے اللہ امت محمد ﷺ کو بخش دے“ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مغفرت کی دعا ہر فرد کے لئے علیحدہ علیحدہ پہنچے گی، یہ مثال انتہائی واضح ہے۔

انہیں تین وجوہ بلکہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اشکال ختم ہو گیا اور دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض بالکل جاتا رہا اس کے باوجود بھی جو شخص وجوہ تعارض پر مُصر ہو یا وہ حدیثِ حوض کو ترجیح دیتا ہو وہ مُعاند اور مُکابر ہے جس پر رسالتِ مآب ﷺ کا یہ فرمان:

الْكِبْرُ بِطَرِ الْحَقِّ وَغَمَطُ النَّاسِ

یعنی، تکبر، حق کا انکار اور لوگوں کو حقیر جانتا ہے۔

صادق آتا ہے جو شخص اس حد تک پہنچ جائے اس کے ساتھ بات چیت ختم ہو جاتی

۹۔ محمد: ۱۹/۴۷

۱۰۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں تفصیلی طور پر بتانا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے جیسے درود شریف پڑھنے والے کے متعلق ۱۲، محمد عطاء اللہ نعیمی

ہے اور اس پر ملامت کے تیرے ہیں۔

اعمالِ اُمتِ اجابت کے پیش کئے جاتے ہیں نہ کہ اُمتِ دعوت کے

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباری“ میں حدیثِ حوض پر جو گفتگو فرمائی تو اس میں ایسے امور بھی ہیں جن سے یہ واضح ہے کہ حدیثِ عرضِ الاعمال صحیح ہے اور اس میں بیان شدہ معاملہ ثابت و مسلم ہے ان کی عبارت یہ ہے: دیگر علماء نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے حوض سے واپس کر دیا جانا کفر کی وجہ سے ہی ہے اور اُمتی سے مراد اُمتِ دعوت (جنہوں نے آپ کی دعوت کو رد کیا) نہ کہ اُمتِ اجابت (جنہوں نے آپ کے پیغام کو قبول کیا) ان اہل علم نے اپنی اس بات کو حدیثِ ابی ہریرہ سے ترجیح دی ہے کہ رسالتِ مآب ﷺ نے فرمایا:

میں کہوں گا رحمت سے دُوری ہو ان کے لئے ہلاکت۔

(ایسے کلمات کافر کے لئے ہی ہو سکتے ہیں) اور ان کے حال کا آپ ﷺ پر مخفی ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے اگر ان کا تعلق اُمتِ اجابت سے ہوتا تو آپ ﷺ ان کے احوال کو جانتے، کیونکہ اُمتِ اجابت کے احوال آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کئے جاسکتے ہیں، ہمارے مقصود کی طرف اس میں بالکل واضح اشارہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق

حدیثِ حوض پر وارد شدہ اشکال

وجہ سابقہ مُسلمہ قوت میں اگرچہ ان میں سے بعض بعض سے قوی ہیں کہ ساتھ دونوں حدیثوں کو جمع کرنے کے بعد اب میں اس اشکال کو واضح کرنا چاہتا ہوں جو حدیثِ حوض پر وارد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو حوض سے دُور کر دیا جائے، حالانکہ اللہ رب العزت نے تمام صحابہ کو عادل قرار دیا ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ میں ان کی تعریف کی ہے اور جمہور علماء و

ملتِ اسلامیہ کا تمام صحابہ کرام یہاں تک کہ ان میں سے غیر معروف الحال کیوں نہ ہوں کی عدالت پر اجماع ہے تو یہ تمام کیسے صحیح ہو گا جب کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کو حوض سے دُور کر دیا جائے گا؟

اگر ہم حدیث کو مردن پر محمول کریں جیسا کہ علامہ باجی، قاضی عیاض وغیرہ کی رائے ہے تو علامہ خطابی کا تو یقین ہے کہ آپ ﷺ کے بعد ایک بھی صحابی مرد نہیں ہوا، مرد تو کچھ اعرابی لوگ ہوتے تھے، جن کا اسلام کے بارے میں کوئی کردار ہی نہیں، اور اگر ہم حدیث کو منافقین پر محمول کریں تو (اعتقادی) نفاق تو آپ ﷺ کی ظاہری حیات میں تھا اور حدیث کہتی ہے ”لَا تَدْرِي مَا أَخْلَكُوا بَعْدَكَ“ اور اگر ہم حدیث کو مبتلا عین پر محمول کریں تو وہ آپ ﷺ کے صحابہ ہی نہیں وہ تو بعد کی پیداوار ہے، اگر ہم حدیث کو ان حضرات پر محمول کریں جنہوں نے مقامِ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے جنگ کی تو جمہورِ شاعرہ و ماترید یہ اسے پسند نہیں کرتے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے خطی مجتہد تھے، اور اگر ہم حدیث کو اُمتِ دعوت یا اُمتِ اجابت کے مافرانوں پر محمول کریں تو حدیث مذکور کے الفاظ اس کی نفی کرتے ہیں کیونکہ ان میں تصریح ہے کہ وہ آپ ﷺ کے صحابہ ہیں، آپ انہیں، وہ آپ کو پہچانتے ہیں اور آپ ﷺ ان کے نام لے کر ان کو پکاریں گے، پھر آپ کیسے اپنے صحابہ سے بری الذمہ ہو جائیں گے اور ان کیسے حق میں کہیں گے ”ہلاکت ہلاکت“ ہو ان کے لئے۔ (۱۱)

۱۱۔ اس حدیث پر یہ اشکال بھی ہوتا ہے کہ یہ حدیث قضا کرتی ہے کہ ہم تمام صحابہ کرام کے لئے رضی اللہ عنہ نہ کہیں بلکہ ان حضرات کے لئے کہیں جن کے بارے میں یقین ہو کر انہیں حوض سے دُور نہیں کیا جائے گا اور ان کی تعین نظریات و اغراض کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے، غالی شیعہ واقعہ جمل کے اصحاب کو رضی اللہ عنہ نہیں کہیں گے اور ناصبی اور خارجی حضرت علی و حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو، جب کہ کچھ حضرات حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں کو پسند نہیں کرتے اور آپ کے لئے ہر فرقہ کو حق پر سمجھنا ضروری ہو گا اور حدیثِ حوض اس کی تائید کرے گی اگر ہم ==

آپ ﷺ تو وہ کریم آقا ہیں

آپ تو وہ آقا کریم ہیں جو عام گنہگار مسلمانوں سے بری الذمہ نہیں ہوں گے بلکہ ان کے حق میں شفاعت فرمائیں گے اور منافرانوں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی ان کی خلاصی کی کوشش کریں گے، تو جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، حدیثِ حوضِ یقیناً محل اشکال ہے۔ (۱۲)

جن حضرات نے اس حدیث کے ساتھ حدیثِ عرضِ اعمال کا معارضہ قائم کیا بلکہ اس حدیث کو حدیثِ عرضِ اعمال پر ترجیح دی، ان کے لئے ضروری تھا کہ پہلے وہ اس حدیث کا مفہوم سمجھتے پھر وہ اس کو اور جس پر قرآن کریم دلالت کرتا ہے اور جمہور کا اجماع ہے کہ ”تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، اللہ رب العزت کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ و مقام ہے“ جمع کرتے، جب یہ ان کے لئے صحیح ہو جائے اور اس کی توفیق بھی دیئے جائیں تب وہ جن احادیث کے ساتھ چاہیں اس کا معارضہ قائم کرتے پھر اس حدیث کو ان تمام پر منطبق کریں تو یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہم صحابہ کرام کی کثیر تعداد کے لئے رضی اللہ عنہما استعمال نہ کریں کیونکہ وہ اس کے اہل ہی نہیں اور اگر ہم اسے کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص کریں تو یہ سراسر زیا دتی ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں، اب ان مخالفین کو چاہئے کہ ہمارے لئے متعین کریں کہ وہ کون سے صحابہ کرام ہیں جن کے لئے ہم رضی اللہ عنہ کہیں اگر وہ ایسا نہ کریں، وہ ہرگز ایسا کر بھی نہ سکیں گے، تو ہمارے ساتھ یقیناً کامل رکھیں کہ حدیثِ حوضِ مشکل المعنی اور متروک اظہار ہے جس طرح ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

۱۲۔ یہی وجہ کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حجاج کرام کے لئے ”جو مدینہ منورہ حاضری کے لئے آتے تھے“ اس حدیث کی روایت سے منع کرتے تھے اس کے باوجود وہابیوں کو کہا جائے گا جب حدیثِ عرضِ اعمال تمہارے نزدیک حدیثِ حوض جس کی صحت پر اتفاق ہے، سے معارضہ ہے، تو حدیثِ حوض کے تو قرآن اور اجماع معارضہ ہے کیونکہ قرآن کریم حدیثِ عرضِ اعمال کی تائید کرتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے تو اب بتائیے دونوں حدیثوں میں سے کون سی حدیث اشکال سے دور ہے؟ اور کون سی قبولیت کے کاوٹی ہے؟

لیکن وہ سمجھتے نہیں۔

خاتمہ

الفاظ حدیث کی تشریح

رسالتِ مآب ﷺ کا فرمان ”حَيَاتِي“ یعنی تمہارے درمیان میری موجودگی، ”خَيْرٌ لَّكُمْ“ اس میں تمہارے لئے خیر ہے کیونکہ اس میں تمہاری خرافات، فتنوں اور اختلافات سے حفاظت ہے جن کا یقین کامل اور نورِ عرفان سے نگاہِ نبوت مشاہدہ کر رہی تھی، پھر بعض ان بھلائیوں کی وضاحت فرمائی کہ رسالتِ مآب ﷺ کی موجودگی میں بھی ضرورت پڑتی رہتی ہے تو فرمایا: ”نُحْدِثُون“، ناپریش، حاء ساکن اور دال پر زیر، دونوں کا مصدر ”أَحْدَثَ“ تو معنی بنے گا، تم ایجاد کرتے ہو چند امور اور افعال، جو تم اپنی عام و خاص زندگی میں کرتے رہتے ہو، ان کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارے لئے احکام شرعیہ نازل فرمادیتا ہے کہ یہ کام جائز ہیں یا ناجائز۔ یہ چیزیں حلال ہیں یا حرام، یعنی مقتضی اسباب کے مطابق اللہ تعالیٰ ان کے احکام کو نازل فرماتا رہتا ہے مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک جماعت نے شراب پی، پھر نماز کا وقت آگیا تو انہوں نے اپنے میں سے ایک کو امام بنا کر نماز کی ادائیگی شروع کر دی تو امام نے قرأت میں پڑھا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اعْبُدُوا مَا تَعْبُدُونَ

تو اللہ رب العزت نے حکم نازل فرمایا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى

تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (۱۳)

یہ نہایت ہی وسیع باب بلکہ یہ علوم قرآن و حدیث کا حصہ ہے جسے ”علم اسباب

النزول“ کہا جاتا ہے، مستقل اس موضوع پر بہت ساری کتابیں تالیف ہو چکی ہیں کچھ تو مطبوعہ ہیں جب کہ کچھ غیر مطبوعہ، پھر فرمایا:

وَوَكَلَانِي خَيْرٌ لَّكُمْ

یعنی، میرا اس دنیا سے وصال کر جانا ہی تمہارے لئے خیر ہے۔

”صحیح مسلم“ میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث سے ثابت

ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ رب العزت جب اپنے بندوں میں سے کسی امت پر رحمت کا

ارادہ فرماتا ہے تو اس امت کے نبی کو پہلے بلا لیتا ہے اور اس نبی کو

امت سے پہلے اصلاح کرنے والا، انتظام کرنے والا بنا دیتا ہے،

اور جب اللہ رب العزت کسی قوم کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو

اس قوم کو ان کے نبی کی موجودگی میں عذاب دیتا ہے، نبی دیکھ رہا

ہوتا ہے اور اللہ رب العزت اس کو ہلاک کر کے نبی کی آنکھوں کو

ٹھنڈک عطا کرتا ہے کہ کیسے انہوں نے نبی کو جھٹلایا اور اس کی

نافرمانی کی۔

الْفَرْطُ: فاء اور راء پر زیر، وہ جو قوم سے آگے جائے تاکہ رہائش اور ضروریات

زندگی کا انتظام کرے، حدیث مسلم میں لفظ ”الفرط“ کے ساتھ جس ضمیر کی طرف اشارہ

فرمایا اس کی تشریح حدیث عرض اعمال میں یوں فرمائی۔

تُعَرِّضُ عَلَيَّ أَعْمَالَكُمْ ”تمہارے اعمال مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں“ (۱۴)

۱۴۔ وہابیوں نے اس جملہ پر بھی اعتراض کیا ہے کہ قرآن اس جملہ کے معارض ہے، اللہ رب العزت نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حکایہ فرمایا ہے:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ

عَلَيْهِمْ (المائدہ: ۵/۱۱۷)

== یعنی، اور میں ان پر مطلع تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو

تو ہی ان پر نگاہ رکھتا تھا۔

تو شہادت ”جو کچھ انہوں نے زندگی میں دیکھا“ اس کے ساتھ خاص ہے وہاں تو عرض وغیرہ ہے ہی

نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کریمہ کی وجہ کی بناء پر حدیث مذکور کے معارض نہیں ہے:

۱۔ آیت کریمہ نصاریٰ کے دعویٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ خود اللہ یا اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کے

ساتھ خاص ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کیا ہے:

أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ (المائدہ: ۵/۱۱۶)

یعنی، کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نفی کی کہ انہوں نے ایسا کہا ہوا اور انہوں نے اس سے اللہ تعالیٰ کی

پاکیزگی بیان کی ہے پھر کہا:

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ (المائدہ: ۵/۱۱۷)

میں جب تک ان میں رہا میں ان کو اس قول سے روکتا تھا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي

آسمان کی طرف اٹھانے سے۔

كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ (المائدہ: ۵/۱۱۷)

ان میں سے تو جس کی ہدایت چاہتا ہے انہیں روک دے اور اس کی حفاظت فرما۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو تب روک سکتے ہیں جب ان میں موجود ہوں

جب انہوں نے ان کو چھوڑ دیا تو اب انہیں روک نہیں سکتے، اگرچہ ان کے اعمال ان پر پیش ہی کیوں نہ کئے

جائیں تو آیت کریمہ کا عرض اعمال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، نفی میں ثابت میں۔

عرض اعمال آپ کے ساتھ مخصوص ہے

۲۔ عرض اعمال کی تخصیص ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہے جیسا کہ دوسرے بہت سارے فضائل

کی تخصیص فقط آپ ﷺ کے ساتھ ہے کوئی اور نبی ان میں آپ ﷺ کا شریک نہیں، اور جب اللہ رب العزت

نے آپ ﷺ کی وجہ سے آپ کی امت کی تکمیل کی ہے کہ اسے دوسرے تمام امتوں کے لئے انہیں گواہ بنا =

یا در ہے کہ یہ عرض اجمالی ہوگا جیسا کہ وجہ تطبیق احادیث کی تیسری وجہ میں یہ بات گزر چکی ہے یا مجھ پر تمہارے محض عمل پیش کئے جاتے ہیں، وہاں صاحبِ عمل کا ذکر نہیں ہوتا، جیسا کہ چوتھی وجہ میں بیان ہو چکا ہے کیونکہ نفسِ عمل کی معرفت مقصود ہے کہ آیا ان کا تعلق خیر سے ہے یا شر سے، اس سے کفار اور منافقین کے اعمال نکل گئے کیونکہ وہ پیش ہی نہیں کئے جاتے، پھر فرمایا: فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ ”یعنی جب تمہارے اعمال خیر دیکھتا ہوں حَمْدُ اللَّهِ ”تو تمہیں توفیق اور ہدایت دینے پر اللہ کی حمد کرتا ہوں، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ ”جب اعمال شر دیکھتا ہوں“ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لَكُمْ ”تو تمہارے لئے اجمالی طور پر مغفرت طلب کرتا ہوں یا میں اللہ رب العزت سے مزید اعمالِ صالحہ کی تمہارے لئے ہدایت و راہنمائی طلب کرتا ہوں جن سے تمہارے گناہ معاف کئے جائیں۔

حدیث مذکور سے چند امور کا ثبوت

(۱)..... قبر شریف میں آپ ﷺ کی حیات اپنی برزخی حیات ہے، جو حیاتِ شہداء سے بھی اکمل ہے، فرمانِ الہی ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ (۱۵)

= دیا تو ایسا کیوں نہیں ہے کہ عرضِ اعمال کا سلسلہ فقط امتِ مسلمہ کے ساتھ خاص ہو۔

دوسرے انبیاء کو یہ درجہ دینے کی ضرورت نہ تھی

۳۔ دوسرے تمام انبیاء کرام کی دعوت فقط ان کی اقوام کے ساتھ خاص ہے، ان کی شریعت بھی فقط ان کے زمانے تک محدود رہی، جب ان میں سے کوئی نبی اس دنیا سے چلا گیا، کسی اور کے لئے اس نبی کی پیروی ضروری نہ تھی تو ان انبیاء کی شہادت اپنی اقوام کے لئے قاصر تھی، چنانچہ ان پر عرضِ اعمال کا کوئی معنی و مطلوب نہ تھا، لیکن آپ ﷺ کی شریعت بھی باقی ہے اور آپ ﷺ کی امت بھی قیامت تک کے لئے قائم و دائم ہے، تو یہاں عرضِ اعمال ضروری تھا تا کہ آپ ان کے لئے معنی شہادت دے سکیں۔ واللہ المستعان

اللہ کی راہ میں قتل کئے جانے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَمَّا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (۱۶)

اللہ کی راہ میں قتل کئے جانے والوں کو مردہ گمان ہی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں اور انہیں جو اللہ کا فضل ملا ہے اس پر خوش ہوتے ہیں۔

امام ابن حزم نے ”المحلی“ میں فرمایا ہے: مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں کہ انبیاء کو تمام سے افضل نہ ماننے والا کافر ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ و منزلت تمام مخلوق سے ارفع ہے، اللہ رب العزت کے ہاں ان کی بزرگی تمام سے اتم ہے اور رب العزت کے ہاں دوسروں کی بنسبت ان کی تکریم زیادہ ہے، جو شخص اس میں اختلاف کرتا ہے وہ مسلمان ہی نہیں، اور علامہ حافظ امام سخاوی علیہ الرحمہ نے ”القول البدیع“ (ص ۱۲۵)، ”المحلی“ (ص ۲۵) میں فرمایا ہے: ان احادیثِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ ہیں اور یہ عادت محال ہے کہ دن رات میں کوئی ایسا وقت ملے جو جس میں کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت میں صلوٰۃ و سلام نہ کرتا ہو اور ہم ایمان رکھتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ رزق دیئے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی، اور اس پر اجماع ہے، بعض علماء نے شہداء اور مؤذنین کو بھی اس حکم میں شامل فرمایا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بعض علماء و شہداء کی قبریں کھودی گئیں تو ان کے اجسام میں تغیر تک نہیں تھا، حتیٰ کہ بعض کی مہندی کا رنگ بھی تبدیل نہیں ہوا تھا (ف) اور انبیاء کرام تو یقیناً شہداء سے

افضل ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَرَزْتُ بِمُوسَى لَيْلَةَ أُسْرَى بَنِي عَمْدَ الْكَنْثِبِ الْأَحْمَرِ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ

معراج کی رات کثیب احمر سے میرا گزر رہا تو میں نے موسیٰ علیہ

السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر انور میں نماز ادا کر رہے ہیں۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ آپ ﷺ

نے فرمایا:

لَقَدْ رَأَيْتَنِي فِي الْحَجْرِ وَفَرِيشٍ تُسَالِّتُنِي عَنْ مَسْرَايَ

میں حطیم کعبہ میں تھا کہ فریش مجھ سے رات کے سفر کے بارے میں

سوال کر رہے تھے۔

اور اسی حدیث میں ہے:

وَلَقَدْ رَأَيْتَنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ إِذَا مُوسَى قَائِمٌ

يُصَلِّي إِذَا رَجُلٌ ضَرَبَ جَعْدًا كَأَنَّهُ رَجُلٌ مِنْ أُرْدِ شَنْوَةٍ وَ

إِذَا عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَائِمٌ يُصَلِّي أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا

عُرْوَةَ بَنِ مَسْعُودٍ وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ قَائِمٌ يُصَلِّي أَشَبَّهُ النَّاسِ بِهِ

صَاحِبُكُمْ فَحَانَبِ الصَّلَاةَ فَأَمَمْتُهُمْ. الْحَدِيثُ

یعنی، میں نے اپنے آپ کو گروہ انبیاء میں پایا، میں نے دیکھا کہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ

قبیلہ شنوہ کے لوگوں کی طرح کھٹکھریا لے بالوں والے تھے، اور

پھر عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور وہ عروہ

بن مسعود سے بہت مشابہ ہیں، اور پھر ابراہیم علیہ السلام کھڑے

ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، اور پھر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے

نماز پڑھ رہے تھے اور وہ تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ان

کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہیں، پھر نماز کا وقت آیا اور میں ان

سب کا امام ہوا۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کردہ حدیث صحیح میں ہے کہ

انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔

علامہ بیہقی وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اس تمام بحث سے مقصود یہ ہے کہ قرآن کریم، سنت اور اجماع، تمام قبور میں

حیات انبیاء پر دلالت کرتے ہیں اور یہ کہ ان کے اجساد بوسیدہ نہیں ہوتے۔

(۲)..... آپ رؤف رحیم کے درجہ پر فائز ہیں: نبی کریم ﷺ اپنی اُمت کی ہمیشہ

خیر خواہی کرتے تھے، اور ہر موقع پر ان کے لئے خیر و بھلائی اور دعا مانگی، اور اس میں کوئی

شک نہیں کہ آپ مؤمنین کے ساتھ رؤف الرحیم ہوں جیسا کہ خود آپ کے خالق اللہ رب

العزت نے آپ کا خاص وصف بیان فرمایا ہے اور قیامت کے دن آپ کی رحمت مزید

واضح اور جوش میں ہوگی جب آپ شفاعت کے لئے آگے بڑھیں گے اور بار بار یکے بعد

دیگرے اپنی اُمت کے لئے اللہ رب العزت سے درخواست کریں گے اور آپ کا رب

آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا، آپ کو عطا فرمائے گا اور آپ کو اپنے قریب کرے گا،

یہاں تک کہ جہنم کا داروغہ کہے گا: آپ نے اپنی اُمت میں اپنے رب کے غصہ کے لئے

کچھ نہیں چھوڑا، اللہ رب العزت ہماری طرف سے اب کو وہ اکمل و افضل بدلہ دے کہ کسی

نبی کو اس کی اُمت سے ایسا بدلہ نہ ملا ہو۔

(۳)..... اعمال کی پیٹنگی گناہوں کے ترک کا اہم سبب ہے: اس سے گناہوں

کے چھوڑنے اور نیکیاں کرنے پر ابھارنا لازم آتا ہے کیونکہ جب مسلمان کو یقین ہو جائے

کہ اس کے اعمال نبی ﷺ کے حضور پیش کئے جاتے ہیں اور وہ ان کی نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، تو جتنا بھی ممکن ہو سکے گا وہ شخص نیکیاں زیادہ کرے گا اور گناہوں سے دور ہو گا کہ اس کے نبی خوش ہوں، انہیں فرحت حاصل ہو اور جب حضرت ابو الدرداء ایسے عمل سے اللہ رب العزت کی پناہ مانگیں جس سے وہ اقرباء کے حضور رسوا ہوں تو ایک مسلمان سے کیسے اُمید کی جاسکتی ہے کہ وہ ایسا عمل کرے جس سے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں رسوا ہو۔

جزء اختتام کو پہنچا، ۱۰ شوال المبارک ۱۳۶۸ھ بدھ کے دن صبح کے وقت اس سے فراغت حاصل ہوئی، حسن و سعادت کے ساتھ اللہ رب العزت ہمارا خاتمہ فرمائے، اسی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں، ہمارے والدین، ہمارے مشائخ و اساتذہ اور ہمارے دوستوں کی مغفرت فرمائے، کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم

بعد نماز صبح بروز منگل ۱۹ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ بمطابق ۷ مئی ۱۹۹۶ء اس کتاب کے ترجمہ سے فراغت حاصل ہوئی۔

فقط

مترجم خادم العلماء رسول بخش سعیدی

حضرت سلطان باہوٹرسٹ برمنگھم، یو۔ کے

فائدہ

کیا صحت حدیث کے لئے اس کا صحاح ستہ میں پایا جانا

ضروری ہے؟

جب وہابیوں کے سامنے حدیث عرضِ اعمال کی طرح ایسی حدیث آجائے جو ان کی خواہشات کے مطابق نہ ہو اور اس کی تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو تو اسے یہ کہتے ہوئے رد کر دیتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں نہیں ہے یا صحاح ستہ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا، دراصل وہ اس سے کم علم شخص کو وہم میں مبتلا کرتے ہیں کہ ہر وہ حدیث جو صحیحین میں یا صحاح ستہ میں نہ پائی جائے وہ ضعیف ہے یا موضوع۔ یاد رہے کہ یہ ابہام باطل کسی صحیح علمی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ یہ من جملہ ان بدعات سے ہے جن کا اظہار انہوں نے آج کل کر رکھا ہے، دنیا کے کسی عالمِ دین، فقہاء مجتہدین بلکہ محققان حدیث اور محدثین نے، کسی نے بھی آج تک صحت حدیث کے لئے یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ صحاح ستہ میں موجود ہے، بلکہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حدیث میں صحت کی شرائط پائی جائیں تو اس پر عمل کرنا ضروری ہے خواہ وہ صحاح ستہ میں ہو یا نہ۔ شیخ ابن تیمیہ کو دیکھئے اپنی کتابوں میں ایسی احادیث لاتے ہیں جو خلل، ابن بطہ وغیرہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں، حافظ ابن قحطان کو دیکھئے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کو صحیح قرار دیا ہے کہ وہ جوتوں کی حالت میں وضو کرتے تھے، پاؤں کے دھونے کی جائے بس جوتوں پر مسح کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ رسالتنا ب ﷺ ایسا کرتے تھے، اس کو بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور حافظ ضیاء مقدسی نے ”المختارۃ“ میں بہت سی ایسی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، جو

صحاح سنیہ میں نہیں پائی جاتیں، اور دمیاطی، منذری، عراقی، عسقلانی وغیرہ مختاظ حدیث نے بھی ایسا کیا ہے، اور علامہ حافظ ابن حزم نے ”مراۃ الباری“ میں اپنی صحیح کتب حدیث کی فہرست ترتیب دی ہے، جس پر اعتماد کیا جاتا ہے تو فرمایا: پہلے نمبر پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔

پھر صحیح ابن السکمی، ابن جبار وکی منہجی، قاسم بن اصح کی منہجی، ان کتابوں کے بعد سنن ابی داؤد، سنن نسائی، قاسم بن اصح کی مصنف، امام طحاوی کی تصانیف، مسند احمد، مسند بزار، مسند ابن ابی شیبہ، مسند عثمان، مسند ابن راہویہ، مسند طحاوی، مسند حسن بن سفیان ہیں الخ۔ مزید تفصیل کے لئے ”مد ریب الراوی شرح تقریب التواوی“ کی طرف رجوع کریں، مقصود یہ ہے کہ وہ احادیث کریمہ جو صحاح سنیہ میں مروی نہیں ہیں، ان کے بارے میں وہابیہ کا خیال صحیح نہیں ہے، نقل اس کی تائید کرتی ہے نہ عقل، نہ ہواہوی بدعت ہے جو ان کی خواہشات کی مطابق نہ ہوا ان سے جان چھڑانے کے لئے اسے گھڑا ہے کیونکہ وہ لوگ انصاف نام کی کوئی چیز پہنچانتے ہیں، نہ انہوں نے کبھی اس کا ذائقہ چکھا ہے، شاید انہوں نے پوری زندگی میں اسے سنا بھی نہ ہو، ہاں فریق مخالف اور مناظر سے ضرور سنتے ہوں گے۔

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمیں اور انہیں صحیح راستے کی ہدایت فرمائے، آمین

وما علینا الا البلاغ المبین